تحریف شناسی عاشورا

امام شناسی کی روشنی میں

تالیف: داؤد الہامی

ترجمہ: عالمہ فاضلہ سیدہ طیبہ شرف الدین

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

80

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)

ACC No. 8033 Date 21/10/02
Section: اصول حسین Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11 M.L. Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar Karachi-74400, Pakistan

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحریف شناسی عاشورا
امام شناسی کی روشنی میں

Acc No. 8033 Date 21/10/02
Section امام حسینؑ Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

تالیف

داود الہامی

ترجمہ

عالمہ فاضلہ سیدہ طیبہ شرف الدین

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب _____ تحریف شناسی عاشورا امام شناسی کی روشنی میں

تالیف _____ داود الہامی

مترجم _____ عالمہ فاضلہ سیدہ طیبہ شرف الدین

تصحیح وترتیب _____ سید رسالت حسین کوثر، سید محمد سعید موسوی

کمپوزنگ _____ سید محمد صادق

ناشر _____ دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

تاریخ طبع _____ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ۔ق

تقدیم

یہ حقیر پیش کش ہدیہ ہے

- سرور آزادگان حسینؑ بن علیؑ کی بارگاہ میں
- منتقم خونِ حسینؑ حضرت امام مہدی (عج ا.....)) کی بارگاہ میں

اور

مادرِ حسینؑ سیدہؑ کونین حضرت فاطمۃ الزھراء (س) کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اس ہدیہ ناچیز کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور ان ہی سیدہ عالم، زہرہ مرضیہ کے طفیل بارگاہ احدیت سے ملنے والے اجر و ثواب اپنی والدہ مرحومہ، مغفورہ، جملہ اساتیذ محترم شہدائے اسلام اور تمام مومنین و مومنات کی خدمت میں نذر کرنے کی سعادت حاصل کرتی ہوں۔

مترجم

تمہید

ادیان و مذاہب میں تحریف وتزیف ایک مسلمہ حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں، تحریف دین و مذہب کے لیے بادِ خزاں کی مانند ہے، تحریف کے ماہرین اس قدر مہارت اور ہوشیاری سے دین میں تحریف کرتے ہیں جس طرح ممتا اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے۔

دین کی یہ مہلک بیماری اس قدر مخفی اور مرموزانہ ہوتی ہے جس کی شناخت اور پہچان ہر فرد کے لئے آسانی سے ممکن نہیں ہے اس لئے جب تک تحریف کے بادخزاں سے دین کے درخت کے تمام پتے گر نہ جائے اور اس کی شاخوں پر خشکی کے آثار ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک متوسط طبقہ اس مہلک مرض کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، یا تو اس وقت متوجہ ہوتے ہیں جب پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ کام ایک عرصے سے مخفی انداز میں ہو رہا تھا اور ہم غفلت میں تھے اور اب کچھ نہیں کیا جا سکتا، اب اصلاح کی کوئی امید نہیں ۔

کچھ لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ جس کام کو نہیں ہونا چاہیے تھا وہ اب ہو چکا ہے لہذا اب نہ مزید افسوس کھانے میں کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی اصلاح کی کوشش ثمر بخش ہو سکتی ہے۔ اسی لئے تحریف شدہ دین کو جوں کا توں رہنا دیا جائے اور خود اس تحریف شدہ دین کو زندہ رکھنا دین کی خدمت اور ترویج دین ہے۔ جب تحریف سے اصل دین کو خطرہ محسوس ہو جائے تو ایسے مواقع پر اصل دین کی حفاظت اور سلامت جان کی قربانی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا ہے۔

بنی امیہ نے دین کو ہر سمت سے تحریف شدہ اور کھوکھلا بنایا دین میں بنی امیہ کے تحریفات اس قدر گہری، مضبوط اور وسیع پیمانہ پر تھے کہ ان تحریفات کی نوعیت، گہرائی اور وسعت کو دیکھ کر عوام اپنی جگہ حتی پیغمبرؐ اور امام علیؑ کے بزرگ جلیل القدر اصحاب کو ان تحریفات کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت شہامت نہیں ہوئی۔ تنہا وہ ہستی جس نے ان تحریفات کی گہرائی، عاقبت کو اپنی الٰہی بصیرت وتدبیر سے سمجھا اور بنی امیہ کے خلاف میدان کربلا میں آواز بلند کیا کہ بنی امیہ نے حلالِ خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کیا لیکن تحریفات کی نوعیت اس قدر شدید اور گہرائی اس قدر زیادہ تھی کہ امام حسینؑ اور ان کے باوفا اصحاب کو اپنی جانیں قربان کرنی پڑی تاریخ بشریت میں تحریف کے خلاف یہ قربانی بے مثال ہے ائمہ طاہرینؑ نے شہادت امام حسین بن علیؑ کے بعد تحریفات کے خلاف جنگ و جہاد کی تلوار

کو اٹھا یا رکھا اور سیف بڑا اس کی طرح خود ذات امام حسینؑ اور ان کے قیام مقدس کو تحریف کے خلاف ایک مضبوط جامع کسوٹی کی طور پر پیش کیا تا کہ دینِ مبینِ اسلام آنے والے زمانے میں ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہے۔

لیکن صد افسوس! تحریف کے ماہرین نے خود اس کسوٹی میں نادان دوست حقیقت ناشناس عزاداروں کے توسط تحریف کردی۔ اور جاہل دوستوں، قیام و شخصیت حسینؑ بن علیؑ سے ناواقف عزاداروں اور تحریف سے نا آشنا عزاداروں نے بھی فارغ دلی سے ان کے تحریفات کو قبول کیا اور تحریفات کے خلاف بلند ہونے والی ہر قسم کی آواز کو سنے سمجھنے اور اس پر غور و فکر کرنے سے انکار کیا اور خاموشی وسکوت میں دین کا مصلحت سمجھا۔ چنانچہ یہ بات روز روشن کی طرح عیان ہوتی ہے کہ تحریف خود ایک بڑا المیہ ہے اور تحریف سے نا آشنا ہونا تحریف کی الف بے سے ناواقفیت خود اصل تحریف سے بڑ کر ایک اور المیہ ہے۔

گرچہ تحریف کے خلاف جنگ و جہاد ہر ملت وامت میں پایا جاتا ہے لیکن عملاً شیعہ مذہب سے مخصوص ہوگیا ہے تاریخ تشیع میں یہ جنگ و جہاد کبھی قلم سے کبھی زبان اور کبھی قدرت وطاقت سے وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے بعض علماء نے تحریف کے خلاف ہر سمت وجہت سے اپنے قلم، زبان کے ذریعہ قیام فرمایا ان میں سے ایک عظیم ہستی جس نے حوزہ علمیہ قم میں ترتیب حاصل کرنے کے بعد تحریف کے خلاف ہر جہت سے اپنی تحریک کو قلم وزبان کے ذریعہ کیا جس نے اپنی تمام آبرو، عزت، حیثیت کو تحریف کو دین و مذھب سے مٹانے کی خاطر قربان کردی اور اپنے سینہ کو گولی کیلئے سپر قرار دیا، عالم اسلام کے معروف شخصیت عالم، عابد، عارف اور محقق آیت اللہ استاد شہید مطہری رضوان اللہ علیہ ہیں ان کی قلمی وزبانی کوشش وکاوشوں کے ہر سطر پر آج تک اور بعد میں آنے والے علماء اور بزرگ شخصیتیں تشریح وتوضیح اپنی بضاعت وبساطت کے مطابق کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک علامہ بزگوار آقای داود الہامی کی کتاب تحریف شناسی عاشورا امام شناسی کی روشنی میں ہے جسے میری عزیز بیٹی نے ترجمہ کیا ہے۔ ہم ان کی اس کوشش کا دل سے مشکور ہیں اور دست بدعا ہیں کہ خدا ان کی اس کاوش کو اپنی درگاہ احدیت میں قبول فرمائے اور انھیں زیارت قبر ابی عبداللہ الحسینؑ نصیب فرمائے اور آئندہ بھی اپنی تمام تر توانائیوں کو اسلام، مکتب اہل بیتؑ کی سربلندی وعزت ووقار کے لئے صرف کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

سید علی شرف الدین موسوی
ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

قال الامام الحسین علیه السلام:

﴿أنا أدعوكم إلى كتاب الله وسنة نبيه (ص) فأن السنة قد أميتت وان البدعة قد أحييت وان تسمعوا قولي وتطيعوا أمري أهدكم سبيل الرشاد﴾

﴿میں تمہیں کتاب خدا و سنت رسولؐ کی طرف دعوت دے رہا ہوں بے شک سنت مردہ ہو چکی ہے اور بدعت زندہ ہو چکی ہے اگر تم میری بات کو قبول کرو گے اور میری اطاعت کرو گے تو میں تمہیں سعادت و ہدایت کی طرف لے جاؤں گا﴾۔

(تاریخ طبری، ج۴ص۲۴۰ اور مقتل مقرم ص۱۵۹)

قال الامام الحسین علیہ السلام:

«الا ترون ان الحق لا یعمل بہ وان الباطل لا یتناھیٰ عنہ لیرغب المؤمن فی لقاءِ اللّٰہ محقاً فانّی لا اریٰ الموت الا شھادۃً ولا الحیاۃ مع الظالمین الا برما»

﴿کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا، اور لوگ باطل سے باز نہیں آتے۔ ایسے میں ہر مومن کو چاہئے کہ ایسی زندگی سے ملاقاتِ خداوندی (لقاء اللہ) کی تمنا کرے۔ میں موت کو جز سعادت کے کچھ نہیں سمجھتا اور ظالمین کے ساتھ زندگی کو ہلاکت اور نابودی سمجھتا ہوں﴾

(مقتل المقرم، ص ۲۳۲، لہوف، تاریخ طبری ج ۴، ص ۳۰)

مقدمہ

حق وباطل کے مابین جنگ کی یہ طولانی تاریخ (جو حضرت آدمؑ ابوالبشر سے آخر تاریخ زمان کے صفحہ پر جاری ہے)' عاشورا کے تاریخی دن صاف اور صریح ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے عاشورا حق وباطل کی جنگ کی اس ضخیم تاریخ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ حضرت امام حسینؑ میدان کربلا میں روز عاشورا حضرت آدمؑ سے لیکر خود اپنے زمانے تک کے تمام پیامبروں' عدالت خواہوں' مظلوموں کے وارث ہیں۔ ان کے مقابل یزید تاریخؑ کے تمام بد خصلت لوگوں' جلادوں' لٹیروں اور ظالموں کا وارث ہوتا ہے۔

روز عاشورا فقط امام حسینؑ اور یزید کے مابین تصادم کا دن نہیں۔ یزید فقط اس وجہ سے کہ وہ شخصی اعتبار سے فاسق وفاجر تھا قیام عاشورا کے اس واقعہ میں محکوم نہیں اور حسینؑ نے اس روز محض اپنا' اپنے پدر یا برادر کے حق کا دفاع کرنے کیلئے قیام نہیں کیا تھا۔ آپؑ کا اس روز کا قیام اس لئے تھا کہ تاریخ بشریت کے آغاز سے ایک کے بعد ایک توحید کے بانیوں اور عدالت کے طرفداروں کے ہاتھوں اٹھایا گیا پرچم یونہی لہراتا رہے۔ یہی پرچم' حضرت آدمؑ سے لیکر اللہ کے عظیم پیغمبروںؑ

تک وراثت میں پہنچااور اس تحریک کے آخری پرچمدار، پیغمبر اسلامؐ اور بعد میں حضرت علیؑ اور امام حسنؑ تک پہنچا۔

اسی وجہ سے ہم زیارت وارث میں امام حسینؑ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

سلام آپؑ پر اے آدم صفی اللہ کے وارث۔

سلام آپؑ پر اے نوحؑ نبی اللہ کے وارث۔

سلام آپؑ پر اے ابراہیمؑ خلیل اللہ کے وارث۔

سلام آپؑ پر اے موسیٰؑ کلیم اللہ کے وارث

سلام آپؑ پر اے عیسیٰؑ روح اللہ کے وارث۔

سلام آپؑ پر اے محمدؐ حبیب اللہ کے وارث۔

سلام آپؑ پر اے علیؑ وصی رسول اللہ (ص) کے وارث۔

سلام آپؑ پر اے حسن مجتبیٰؑ کے وراث۔

سلام آپؑ پر اے فاطمہؑ بنتِ رسولؐ اللہ کے وارث۔

لہٰذا ہمیں حسینؑ کو فقط یزید، ابن زیاد اور عمر سعد کے مقابل میں نہیں دیکھنا چاہئے، بلکہ طول تاریخ میں حسینؑ کو تحریک عدل و حق کی تاریخ کا وارث جاننا چاہئے۔ حسینؑ تمام انبیاء واوصیاء یعنی آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمدؐ کے وارث ہیں۔

شیعوں کے نزدیک حسینؑ کوئی ایسا نام نہیں جو فقط کسی ایک شخص پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ اس نام میں شجاعت، جوانمردی، انسانیت، امید، دین کا سرورق، شریعت، حق وعدالت کی راہ میں فداکاری اور جانبازی کا رمز ہے۔ اسی طرح یزید میں استبداد ظلم وستم، تباہ کاری، پردہ دری اور ذلت و بدبختی کا رمز پوشیدہ ہے۔

پس جہاں بھی استقامت، اخلاص، شجاعت، فضیلت اور شرف ہے وہاں پر نام

حسینؑ بھی جگمگاتا نظر آتا ہے اور کسی شیعہ شاعر نے انہی مطالب کو شعر کی صورت میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

کان کل مکان کربلا لدی عینی و کل زمان عاشورا

(میری آنکھوں کے سامنے ہر جگہ کربلا اور ہر دن یوم عاشورا ہے)۔

شیعہ تاریخ میں عاشورا بہت اہمیت رکھتا ہے' اس طرح کہ ہماری زندگی' انسانیت اور شرافت اس حادثہ سے وابستہ ہے۔ ہمیں اس مکتب کو زندہ رکھنا چاہئے تاکہ حسینیؑ روح کی شعاعیں ہماری ملت میں روشن رہیں اور ہمارے اس نیم جان جسم میں سانس آتی جاتی رہے۔ افسوس کہ یہ حادثہ بھی تحریف کرنے والوں کے پوشیدہ مکر اور جاہلوں کے جہل سے محفوظ نہ رہ سکا اور اس کے تابناک چہرہ پر تحریف کی گرد بیٹھ گئی ہے۔

یہ کتابچہ اسی مقصد کیلئے لکھا گیا ہے تاکہ اس کے چہرے سے تحریف کی گرد جھاڑیں اور گوناگوں تحریفات کی شناخت کیلئے ایک پیمانۂ اصول اور معیار ہاتھ آئے جس کی روشنی میں ہر قسم کے جعل اور تحریک کی رنگ اس عظیم قیام کے چہرے سے جھاڑ دیا جائے۔ انشاء اللہ۔ (حوزہ علمیہ داود الہامی ۲ / ۱۲ / ۷۷)

امام شناسی کے روشنی میں عاشورا میں موجود تحریفات کی شناخت

عاشورا کا حیرت انگیز واقعہ تاریخ اسلام میں بلکہ تاریخ انسانیت اور انسانی معاشرہ کی تاریخ میں ایک عظیم انقلاب کا سر آغاز اور آزادی و حماسہ کا ایک ایسا جوش مارتا ہوا چشمہ ہے کہ صدیوں گزرنے کے باوجود ابھی تک اس کے اسرار' عظمت اور اہمیت صحیح طور پر روشن نہیں ہوئے ہیں۔ اس عظیم انقلاب کے مجاہدوں کے چہروں میں عظمت قرآنی اور حقیقی اسلام کو بھی واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ انسان کامل کے طرح طرح کے نمونے اور قرآن کے بتائے ہوئے نمونے کا مشاہدہ بھی کر سکتے ہیں۔ ان نورانی چہروں کے مقابل انسان کی شکل میں پست اور مکروہ چہروں کے نمونے بھی نظر آتے ہیں جو تمام انسانی اور الٰہی اقدار کے ساتھ جنگ کیلئے صف آراء ہیں۔

پس ایک کھلی نگاہ کے سامنے عاشورا کے اسٹیج پر نور و ظلمت' حق و باطل اور انسان کے دو متضاد چہروں کی نمایش ہے :

ایک طرف انسان نقطۂ اوج اور بے انتہا کمال پر ہے اور دوسری طرف انسان نقطۂ انحطاط اور بدترین پستی میں مشاہدہ کے قابل ہے۔

جس طرح قرآن کے آئینہ میں عاشورا کے قہرمانوں (دلیروں) کے چہرے نظر آتے ہیں' عاشورا کے آئینہ میں بھی قرآن جلوہ نما ہے۔ اس لحاظ سے عاشورا کے قہرمان مجسم قرآن نظر آتے ہیں۔ افسوس کہ عالم اسلام کا یہ عظیم گنجینہ دوسرے گنجینوں کی طرح تحریف گروں کے خفیہ مکر و حیلہ کے دست برد سے محفوظ نہیں رہا۔ دوسری طرف یہ تحریک مثل قرآن ایک دریائے ناپید اکنار ہے

کہ بشر کی عادی فکر اسکی طول و عرض پر نظر ڈال نہیں سکی اور اس کے اصلی چہرہ کی نمائش نہیں کر سکی۔

اسی لئے صاحبان خرد نے عاشورا کی جو تصویر کشی کی ہے اس کے حقیقی چہرے کی نمائش کیلئے ادھوری اور ناکافی ہے۔ لہٰذا اس عظیم تحریک کے چہرے پر تحریف کی بہت گرد و غبار بیٹھ چکی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اگر ہم تمام عمر اس کی یاد مناتے رہیں اور اپنی عادت کے مطابق اس پر روتے رہیں تو نہ اس کو پہچان سکیں گے اور نہ سمجھ سکیں گے اور نہ ہی اس بارے میں سوچیں گے۔ لہٰذا افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس تحریک کا روشن ترین پہلو اس کا تاریک ترین حصہ بن گیا ہے۔ اور وہ اسلام کے سیاسی، معاشرتی اور فکری تاریخ پر عاشورا کا اثر انداز ہونا ہے۔

عرصہ سے تاریخ اسلام کے کچھ محققین نے اس تحریک کے چہرے سے تحریف کی نقاب کو ہٹانے کیلئے مختلف طریقۂ کار آزمائے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ مستحق تحسین اور قابل تعریف ہے۔ لیکن اعتراف کرنا چاہئے کہ ان تمامتر کاوشوں کے باوجود تحقیق کے صرف کچھ جھروکے کھلے اور عاشورا کے حقائق کے کچھ مناظر سامنے آئے ہیں۔

(کیھان فرہنگی سال ۱۳، شمارہ ۱۲۶، ص ۴۳، مقالہ : عباس ایزد پناہ)

کیونکہ جو طریقے انہوں نے حقیقت عاشورا کو بیان کرنے کیلئے اپنائے ہیں وہ ناقص اور نامکمل ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے کوئی عام پیمانے سے کرۂ ارض کو ناپنا چاہے۔ ہم یہاں پہلے وہ طریقۂ کار جو عاشورا کو متعارف کروانے میں بروئے کار لاتے ہیں ان کا مطالعہ کریں گے اور اس کے بعد تحریک عاشورا کی تحریف شناسی کو امام شناسی اور انسان شناسی کی روشنی میں زیر بحث لائیں گے۔

عاشورا کی شناخت کرانے کیلئے جو طریقۂ کار اپنائے گئے اُن میں پانچ اصلی

طریقے قابل تحقیق ہیں :

ا۔ تاریخی روش

تاریخی حقائق اور واقعات سے پردہ اٹھانے کیلئے جو طریقہ کار اپنائے گئے ان میں سے ایک تاریخی طریقہ کار ہے۔ اس روش میں مورخ کوشش کرتا ہے کہ واقعات کو تاریخی منابع کے ذریعہ من و عن جو پیش آیا ہے بیان کرے۔

اس طریقہ کار میں محدث کی طرح مورخ صرف تاریخ کے پہلے مرحلہ اور دوسرے مرحلے کے اسناد کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ اس لئے مورخ کا طرز عمل محدثین جیسا ہے جو معصوم کی حدیث میں صرف اس کی سند کے اعتبار سے جستجو کرتے ہیں اور وہ صرف اس روایت کو صحیح جانتے ہیں جس کا راوی عادل ہو اس کے سوا حدیث کے مضمون سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔

مورخین ہمیشہ تاریخی واقعات کو معتبر ذرائع سے نقل کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ جب ایک واقعہ کو ایک معتبر ذریعہ سے حاصل کر لیتے ہیں تو واقعہ جو بھی ہو اسے ویسے ہی نقل کرتے ہیں۔ ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ بات عقل و شرع کے موافق ہے یا نہیں ؟

اغلب و بیشتر مورخین اور وقائع نگار نے صرف حادثۂ عاشورا کو بیان کرنے پر اکتفا کیا اور اسکے بارے میں اظہار نظر سے پرہیز کیا ہے۔ لیکن ان میں سے کچھ لوگ اور اہل سنت کے مؤلفین نے امامؑ کی تحریک کو نامساعد حالات میں ایک ابتدائی اور غیر سنجیدہ تحریک گردانا ہے اور کہتے ہیں کہ : ''حسینؑ بن علیؑ نے جیسا چاہئے تھا حکومت وقت کی طاقت اور اپنی طاقت کا اندازہ بغور نہ کیا''۔

یہ مؤلفین اپنا نتیجہ اخذ کر کے امامؑ پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور آپؑ کے عمل کو مصلحت کے خلاف جانتے ہیں اور ان میں سے بعض لوگ اعتراض اور نکتہ چینی

میں اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ امامؑ کے قیام کو خود ان کیلئے اور اسلام و مسلمین کیلئے روز قیامت تک کیلئے خسارہ جانتے ہیں۔

مثلاً : ''العواصم من القواصم'' کے مؤلف قاضی ابوبکر بن عربی (م ۵۴۰) امام حسینؑ کے قیام پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں : ''اگر حسینؑ بن علیؑ جو اس امت کے بزرگ' اس امت کے بزرگ کے فرزند اور امت میں سب سے بلند مرتبہ شخصیت اور اس امت کے شریف ترین شخص کے پسر تھے' اپنے گھر میں بیٹھ جاتے یا کھیتی باڑی یا مویشی چراتے تو آشتی سے پیوستہ رہتے اور اگر لوگ حتی ابن عباس اور عبداللہ بن عمر ان سے درخواست کرتے کہ حق کیلئے قیام کریں تو ان کی بات نہ مانتے اور رسولؐ خدا کی تہدید پر توجہ دیتے کہ (آپؐ نے فتہ و فساد سے خوف دلایا تھا) اور یہ بات ذہن میں رکھتے کہ رسولؐ خدا نے صلح حسنؑ بن علیؑ کی تعریف کی ہے اور صرف اسی نکتہ پر دھیان دیتے کہ حسنؑ بن علیؑ نے تمام تر طاقت ہونے کے باوجود خلافت و حکومت ہاتھ سے دے دیا۔ ایسے میں وہ اوباش لوگوں کی مدد سے کس طرح تخت خلافت پر قبضہ کر سکتے تھے ؟ !اگر ان سب چیزوں کو سامنے رکھتے تو ہر گز ایسا افسوسناک واقعہ پیش نہیں آیا۔

(العواصم من القواصم' ص ۲۳۲)

ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) اس ضمن میں امام حسینؑ میں قیام کرنے اور زعامت کی اہلیت کی تصدیق کرتے ہیں' لیکن کہتے ہیں کہ امامؑ کا اندازہ اپنی فوجی طاقت کے بارے میں دقیق نہیں تھا۔ وہ لکھتے ہیں :

''لیکن حسین کے بارے میں مجھے کہنا چاہئے : جب یزید کا فسق زمانے کے تمام لوگوں پر عیاں ہو چکا' کوفہ میں اہل بیتؑ کے پیروں نے حسینؑ ابن علیؑ سے درخواست کی کہ کوفہ آئیں یزید کے خلاف انکے قیام میں مدد

کریں گے۔ حسینؑ نے توجہ کے ساتھ یزید کے فسق کے خلاف قیام کو خصوصاً جو قیام کرنے کی قدرت رکھتا ہو' واجب جانا' اس بنیاد پر انہیں یہ گمان ہوا کہ وہ قیام کی اہلیت بھی اور طاقت بھی رکھتے ہیں۔ ان کا گمان اپنے اہلیت کے بارے میں صحیح تھا' بلکہ خلافت کے شرائط میں سے زیادہ تر اہلیت رکھتے تھے لیکن ان کا فوجی طاقت کے بارے میں اندازہ کہ ایسی طاقت سے وہ قیام میں کامیاب ہوں گے اشتباہ سے دوچار تھا۔ خدا ان پر رحمت کرے"۔ (مقدمہ ابن خلدون ۲۱۶)

اس طرح شیخ محمد طنطاوی مصری کہتا ہے :

"حسینؑ بن علیؑ نے اپنی فوجی طاقت اور حکومت وقت کی طاقت کا اندازہ بغور نہیں کیا۔ اور خوش فہمی میں ان لوگوں پر اعتماد کیا جو آپؑ کے گرد جمع ہو گئے تھے اور زور و شور سے قیام کرنے اور حکومت پر قبضہ کرنے کیلئے اکسا رہے تھے۔ اور وہ مطمئن ہو گئے' قیام کیا لیکن انہوں نے ایک طرف بنو امیہ کی طاقت اور حکومت کی شدت عمل کو مدّ نظر نہیں رکھا اور دوسری طرف اہل عراق کی فریب کاری کو نظر انداز کیا جبکہ کوفیوں نے اس سے پہلے ان کے باپؑ اور بھائیؑ کو فریب دیا تھا۔

(مجلّہ رسالۃ الاسلام : چاپ قاہرہ سال ۱۱' شمارہ ۱' ص ۸۵' بنابر نقل شہید جاوید' ص ۲۳۶)

البتہ اس دور کے رجال اور سیاستمداروں کی بھی یہی سوچ تھی لہٰذا انہوں نے کوشش کی کہ کسی طرح امامؑ کو عراق کے سفر سے باز رکھیں۔

محبّ الدین خطیب مصری ان چند لوگوں کے اظہار نظر کو جو امامؑ کو جانے سے روکنا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں ان کی کوشش کو بیان کرتا ہے۔

"یہ تمام کوششیں جو حسینؑ بن علیؑ کے خیر خواہوں نے انؑ کو سفر کوفہ

سے منصرف کرنے کیلئے کیں بے نتیجہ رہیں۔اور آخر کار حسینؑ نے ایسے سفر کیلئے قدم اٹھالیا جو خود ان کیلئے اور اسلام اور مسلمین کیلئے آج تک اور روز قیامت تک کیلئے ضرر رساں تھا۔اور ان تمام نقصانات کا سبب وہ جرائم تھے جن کے مرتکب ان کے شیعہ ہوئے تھے کیونکہ ان کے شیعہ ہی تھے جنہوں نے از روئے نادانی اور غرور ایسی فتنہ انگیزی کی اور شر واختلاف ایجاد کیا کہ حسینؑ بن علیؑ کو قیام اور سفرِ عراق کیلئے ورغلایا"۔
(العواصم من القواصم،ص ۲۳۱)

جو کچھ یہ مولفین از راہ دلسوزی کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ زمانے کے حالات کا صحیح اندازہ لگانے میں (العیاذباللہ) آپؑ سے غلطی ہوئی ہے اور بنوامیہ کی شقاوت و قساوت قلب اور مقتدر حکومت وقت کی فوجی طاقت کو نظر میں نہیں لایا گیا اور امامؑ ان تمام ظلم وستم کے شکار ہو گئے۔

جی ہاں! جو لوگ قیام امام حسینؑ پر نکتہ چینی اور اعتراض کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے خیال میں قیام کا سارا ہدف حکومت اور خلافت کو جانتے ہیں۔ اور جب وہ تاریخ کا نہایت گہرائی میں مطالعہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حالات ایسے قیام کیلئے بالکل سازگار نہ تھے تو پھر اعتراض کرتے ہیں اور کبھی اہل کوفہ کو قصوروار ٹھہراتے ہیں جنہوں نے امام سے دلفریب وعدے کئے اور اپنے وعدوں سے پھر گئے۔اور کبھی یہ آرزو کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ کاش امامؑ ان کی باتوں پر ان کی سابقہ بے وفائی کو مدنظر رکھتے ہوئے اعتماد نہ کرتے۔بالفرض اگر اہل کوفہ اپنے وعدے پر قائم رہتے پھر بھی ایسی حکومت کی طاقت کا جس کے اختیار میں تمام اسلامی ممالک کا بیت المال تھا یہ لوگ مقابلہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ان لوگوں کی نظر میں یہ نقطہ مسلّم ہے کہ حکومت وقت کی فوج اور امامؑ

کی وعدہ پر مبنی اور فرضی فوج کا کوئی موازنہ یا مقابلہ نہیں تھا۔ (شہید آگاہ ص ۳۰)

انہی مولفین کی نظر میں امامؑ کے قیام کی بنیاد طلب حکومت تھی اور امامؑ کو شکست بھی اس لئے ہوئی کہ انہوں نے اہل کوفہ کی قوت کا اندازہ لگانے اور قوتوں کے موازنہ میں غلطی کی' اور یہی مورخین اس موضوع کو محض ایک تاریخی موضوع جانتے ہیں اور یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ چونکہ امامؑ نے فتح کی امکان نہ ہونے کے باوجود فتح یاب ہونے کا گمان کیا اس لئے آپؑ معذور رہے۔

یہ لوگ اس نقطہ سے غافل ہیں کہ امامؑ بنوامیہ کی مادّی اور فوجی طاقت سے آگاہ تھے اور اس قبیلہ کی خاندانِ رسالتؐ کے خلاف سابقہ اور دیرینہ دشمنی اور قساوت قلب بھی یاد تھیں اور اہل کوفہ کی سابقہ بے وفائی بھی ان کو اچھی طرح معلوم تھی بزرگوں اور نصیحت کرنے والوں کی رائے اور نظریہ کو بھی رد نہیں کرتے تھے' بلکہ کبھی صریحاً قبول کر لیتے تھے کیونکہ وہ لوگ امامؑ سے دلی لگاؤ اور امامؑ سے تعلق رکھنے والے رشتہ دار تھے' اس لئے وہ لوگ آپؑ کی دنیا کی سلامتی کی بات کرتے تھے لیکن امامؑ دین اور اسلام کی مصلحت کو دنیوی مصالح پر ترجیح دیتے تھے۔ اور آپؑ کی ذمہ داری آپؑ کی نظر میں بہت زیادہ اہم تھی۔ لہٰذا امامؑ نے اپنی جان کی حفاظت اور ساتھیوں کی حفاظت کی خاطر دینی مصالح سے صرف نظر نہیں کیا۔ پس امامؑ کا کوفہ اور مدینہ کے سرداروں سے کوئی اختلاف نظر نہیں تھا۔ بلکہ سب ان کے قیام پر تحسین و آفرین کہتے تھے انتہا یہ کہ امامؑ اپنے آپ کو ایسے کام پر مامور جانتے تھے جسے انجام دینا تھا اور ان لوگوں کے پاس بھی امامؑ کی اس منطق کے سامنے کوئی جواب نہیں تھا' سوا اس کے کہ امامؑ اور ان کے خاندان کے ساتھ ہمدردی کرتے تھے۔

امام علیہ السلام نے قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ یزید کی بیعت نہیں کرینگے اور مخفی

جانتے تھے کہ اگر بیعت نہ کی تو مارے جائیں گے ۔ اہل عراق کے خواص اور لوگوں کے عمومی فساد ، فکری انحطاط، اور ارادے کے فقدان سے بنوامیہ کی دہشت گردی اور طاقتور فوج کو بڑی مدد ملے گی اور امام کو شہید کر دینگے۔

(شیعہ در اسلام علامہ طباطبائیؒ ص ۱۳۴)

کچھ معروف لوگوں کے ایک گروہ نے آپؑ کی خیر خواہی میں آپؑ کو سر راہ روکا اور اس تحریک اور قیام کے خطرات سے آگاہ کیا۔ لیکن امامؑ نے ان سے جواب میں فرمایا : نہ میں بیعت کروں گا اور نہ ظلم وبیداد کی حکومت کی تائید کروں گا۔ اور میں یہ جانتا ہوں کہ جہاں کہیں جاؤں گا اور جہاں بھی ٹھہروں گا مجھے مار دینے کے درپے ہونگے۔ حرمت خانۂ خدا کی خاطر میں مکہ چھوڑ رہا ہوں تاکہ میرے خون کے بہنے سے اس کی ہتک حرمت نہ ہو۔

(ارشاد مفیدؒ ص ۲۰۱، فصول المہمہ ،ص ۱۶۸)

اگر ہم واقعہ عاشورا کی تحقیق کیلئے صرف تاریخی اور نقلی طریقۂ کار پر عمل کریں تو نتیجہ وہی ہوگا جس پر یہ مولفین پہنچے ہیں اور اگر صحیح نتیجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں تو تاریخ کے علاوہ دوسرے ذرائع اور امام شناسی کے بارے میں جو روایات ملی ہیں ان پر توجہ دینے اور حادثۂ عاشورا کے معتبر اثبات کے ساتھ اس پر حاکم اصول قواعد پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

ایک اور نظریہ جو شاید اس نظریہ سے کچھ بہتر ہو "شہید جاوید" کے مولف کا ہے۔ وہ کہتا ہے : "امام حسینؑ نے اس وقت کوفہ جانے کا مصمم ارادہ کیا جب فتح کے اسباب مہیا تھے۔ اور امامؑ کی رضاکار فوج بھی طاقت کے لحاظ سے یزید کی فوج سے کمزور نہیں تھی اور اسکے علاوہ معاشرے میں جو آپؑ کی محبوبیت اور جو بے نظیر ذاتی لیاقت تھی اس سے یزید محروم تھا۔ (شہید جاوید ،ص ۲۴۰)

لیکن کچھ ایسے حوادث کی پیش بینی نہ ہوئی جو کہ علم واختیار کے احاطہ سے باہر تھے یہ امامؑ کی شکست کا باعث بنی۔ خود شہید جاوید کے مولف کے بقول :

"لیکن پس پردہ حوادث جن کے بارے میں ظاہر بین نظریں پیش بینی کرنے سے قاصر تھیں باعث بنے کہ امامؑ کی فوج دشمن پر فاتح نہ ہو سکی"۔

اس مولف کے عقیدہ کے مطابق دونوں فوجوں کی طاقت کا موازنہ کرنے اور قیام کے شرائط کے بارے میں امامؑ کا اندازہ درست تھا۔ لیکن پس پردہ حوادث سے آگاہ نہیں تھے اور یہی انؑ کے قیام کی شکست کا باعث بنا۔ یہ ابن خلدون کے نظریہ کے بالکل برعکس ہے جو کہتا ہے کہ امامؑ نے اپنی طاقت اور حکومت وقت کی فوج کا اندازہ لگانے میں نعوذباللہ غلطی کی اور حالات سے بے خبر تھے اور فتح وکامیابی کی غیر یقینی اساس پر قیام کیا اور شکست کھائی۔ اس لحاظ سے وہ معذور ہیں اور بہر حال قصوروار نہیں ہیں اور حکم شرعی میں غلطی نہیں فرمائی۔ اور آپؑ سے زیادہ عادل بھی کوئی نہیں تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون، ص ۳۸۸۔۳۹۰)

شہید جاوید کا مؤلف بھی کہتا ہے : امامؑ پس پشت واقعات سے آگاہ نہیں تھے اسی وجہ سے آپؑ نے شکست کھائی۔

بہر حال امام حسین علیہ السلام کی تحریک کے بارے میں اس قسم کی طرز فکر اور رائے عاشورا اور امام حسینؑ کے خلاف ایک عظیم پروپیگنڈا ہے جو امامؑ کی شہادت کو بے معنی اور پوچ گردانتا ہے اور اس کو ایک عام شکست خوردہ قیام کی حد تک پستی میں لے جاتا ہے۔

۲۔ معاشرہ شناسی کی روش

ابن خلدون تاریخی واقعات میں تحریف شناسی کی جدید انداز کا بانی ہے۔ اس نے مقدمہ لکھ کر علم جامعہ شناسی کے اصول ومبانی کی بنیاد ڈالی اور تاریخی واقعات

کے رونما ہونے کے ثبوت میں ایک نیا تحول ظہور میں لایا۔

تاریخ نگاری برسوں سے مسلمانوں کے درمیان رائج ہے۔ لیکن تاریخی واقعات کو بیان کرنے میں ان کا طریقہ کار وہی محدثین کی روش پر ہوا کرتا تھا۔ یعنی واقعات کا ایک کے بعد دوسرا سلسلہ السناد کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور اس واقعہ کی صحت و سقم اور اس کے وقوع پذیر ہونے کی وجہ کے بارے میں بحث اور چھان بین بہت کم کرتے تھے۔ مثلاً : ابو جعفر طبری جن کا اسلامی مورخین کے قدماء میں شمار ہوتا ہے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں : جو شخص ہماری کتاب کا مطالعہ کرے اسے جاننا چاہئے کہ میں نے جو کچھ اس کتاب میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ان میں میرا اعتماد صرف ان آثار و اخبار پر ہے جن سے میں نے روایت لی اور اس کتاب میں ان راویوں کا ذکر کیا ہے اور ان ذکر شدہ آثار و اخبار کے راویوں سے نسبت دیا ہے مگر اس میں میں نے نہ کسی عقلی دلائل سے واضح ہونے والی بات لکھی ہے اور نہ ہی کسی نفسانی اندیشہ سے ان کو استنباط کیا ہے۔ اگر ایسے دلائل اور استنباط ہوں بھی تو بہت ہی مختصر تعداد ہے۔

(تاریخ طبری جزء اول، ص ۷ چاپ دار المعارف)

تاریخ نگاری کا یہ طریقہ اگرچہ اس لحاظ سے کہ وہ تاریخی مواد کو محققین کے اختیار میں دیتا ہے فائدہ مند ہے، لیکن ان کا حوادث اور روئیداد کی تحلیل و تعلیل کی چھان بین سے کوئی سروکار نہیں۔ لہٰذا تاریخ کے محقق کو مکمل طور پر مطمئن نہیں کرتا ہے۔ مذکورہ تاریخ نویسی کا طریقہ مسلمانوں میں تمام رائج تھا۔ یہاں تک کہ آٹھویں صدی میں ابن خلدون نے تاریخ پر نقد و انتقاد کرنا شروع کیا اور ان حکایات و روایات کو جو گزشتہ مورخین نے سلسلۂ روات پر اعتماد کر کے بیان کی تھیں عقل کے سامنے رکھا اور ان میں سے کچھ کو قابل اعتبار نہ پایا۔ اس سے زیادہ

اہم یہ ہے کہ ابن خلدون نے تاریخ کو نقالی اور صرف روایت سرائی سے نکال کر اس کے اصول و قوانین وضع کئے تاکہ واقعات کو مذکورہ قواعد کے سامنے رکھ کر تاریخی واقعات کے بارے میں زیادہ صحیح درک اور واقفیت حاصل ہو جائے اور اس طرح تاریخ کے وسیع تر پہلو ذہن میں منتقل ہو جائیں۔

(مقدمۂ ابن خلدون (اصل عربی) چاپ قاسم محمد الرجب، ص ۱۴)

وہ اس بات کا مدعی تھا کہ اسناد کے معتبر ہونے کے اثبات کیلئے صرف راوی کا موثق ہونا اور سند کے بارے میں تحقیق کرنا کافی نہیں، ممکن ہے کہ کوئی واقعہ بظاہر معتبر منابع اور اسناد میں ذکر ہوا ہو لیکن واقعات کے اجتماعی حالات اس پر بطلان کی مہر لگا دیتے ہیں۔

وہ کہتا ہے اگر مورخ مختلف انسانی معاشروں کے اصول و عادات اور رسوم اور سیاسی قواعد اور تمدن وغیرہ کو مد نظر رکھے بغیر صرف خبروں کی نقل پر اعتماد کریں اور پوشیدہ واقعات کو ظاہری واقعات سے اور حال کا گزشتہ سے مقایسہ نہ کرے تو اکثر خطا اور لغزش سے محفوظ نہیں رہتا اور شاہراہ حقیقت پر انحراف سے بچ کر نہیں رہ سکتا۔ بہت سے ایسے وقائع گزر چکے ہیں کہ تاریخ نویسوں اور مفسروں، روایات کے پیشواؤں نے واقعات اور حکایات کو محض روای یا ناقل پر اعتماد کی بناء پر خواہ درست ہو یا نہ ہو، بے کم و کاست نقل کر دیا اور غلطیوں اور لغزشوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اسلئے کہ انہوں نے واقعات اور حکایات کو ان کے اصول پر نہیں پرکھا، ان کو دوسروں کی نظر سے نہیں جانچا اور موجودات کی طبیعت کے بارے میں فکر و بصیرت کو استوار کرنے کی حکمت اور آگہی کے معیار اور مقیاس پر نہیں آزمایا ان کی گہرائی تک نہیں پہنچے۔ چنانچہ حقیقت سے دور وہم و خطا کی وادی میں گم ہو گئے۔ (مقدمہ ابن خلدون، ۹ ترجمہ فارسی جلد ۱، ص ۱۳)

اس کے بعد ابن خلدون تاریخ مسعودی سے اور باقی تمام مورخین سے بہت سی ایسی نظیریں پیش کرتا ہے کہ طبیعت حوادث کی بناء پر ان کا بطلان ثابت ہوتا ہے۔

ابن خلدون جو کہ خود معاشرتی علوم کو تاریخی واقعات کی سند شناسی میں بروئے کار لانے کے حامی تھے ان سے یہ امید کیا جارہا تھا کہ وہ خود تاریخی وقائع کی تحلیل میں صحیح راستے پر چلتے اور خطاؤں ولغزشوں سے محفوظ رہتے لیکن افسوس کہ وہ وقائع و حوادث کے تحلیل اور تجزیہ کرنے میں ایسی غلطیوں کے مرتکب ہوئے ہیں جس کے گزشتہ مورخین بھی مرتکب نہیں ہوئے تھے۔

مثال کے طور پر ہارون الرشید اور مامون کی شراب خوری اور عشرت طلبی کے بارے میں اگرچہ دوسرے مورخین نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن ابن خلدون اس کام کو خلفائے عباسی کی طبیعت کے خلاف قلمبند کرتا ہے اور کہتا ہے :

"لیکن جو کہانی آراستہ کی گئی ہے کہ رشید کو شراب خوری کی عادت تھی اور اپنے مصاحبین کے ساتھ ہم پیالہ ہو جاتا تھا ایسے بہتان سے پرہیز کرنا چاہئے۔ خدا گواہ ہے کہ ہم ان کی بدکاری سے آگاہ نہیں ہیں' کہاں رشید اور کہاں ایسی تہمتیں! وہ ایسا شخص ہے جس نے منصب خلافت کی تمام واجبات بڑی دینداری سے ادا کیں اور عدالت قائم کی اور ہمیشہ عالموں اور اولیاء کے ساتھ معاشرت اور ہم نشینی کرتا تھا"۔

(مقدمہ ابن خلدون' ترجمہ فارسی جلد ا' ص ۳۰)

اور مامون عباسی کے بارے میں کہتا ہے :

"مثلاً کہتے ہیں کہ مامون کا ایک رات بغداد کی گلیوں سے گزر ہوا تو اس وقت اُسے ایک ٹوکری نظر آئی جو ریشمی رسی سے بندھی قلابے سے لٹک رہی تھی۔ رسی مضبوط اور پائیدار نظر آئی' ٹوکری میں بیٹھ گیا' پھر رسی

تنی' اس نے کھٹکادیا اور اوپر پہنچ کر ٹوکری سے اُترا تو خود کو ایک ایسی محفل میں پایا جو "ابن عبدربہ" کے بیان کے مطابق نہایت حیرت انگیز تھی۔

(عقد الفرید جلد ۸ زیر عنوان "زواج مامون ببوروان" وہزار ویک شب' شب ۲۷۹ تا ۲۸۲)

مزیّن قالینیں اور سجے ہوئے ظروف اور بیحد خوبصورت دل کو لبھانے والے مناظر 'دیکھنے والے کی آنکھوں کو خیرہ کردیتی تھی اور اسے مبہوت کر گئیں۔ ایسی شوکت وجلال کی محفل میں اچانک پردہ سے ایک خوبرو اور فتنہ انگیز عورت باہر جلوہ نما ہو جاتی ہے وہ اسے سلام کرتی ہے اور اسے اپنے ساتھ ہم نشین ہونے کی دعوت دیتی ہے اور وہ صبح تک اسکے ساتھ شراب خوری میں سرگرم ہو جاتا ہے اور اسوقت جبکہ اصحاب خلیفہ اس کے منتظر ہی تھے وہ ان کے پاس واپس آتا ہے۔ لیکن وہ اس عورت کا اس قدر فریفتہ اور عاشق ہو جاتا ہے کہ جلد ہی اس کے باپ سے لڑکی مانگ لیتا ہے۔

ابن خلدون اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد کہتا ہے: "یہ افسانے مامون کی صفات سے کہاں میل کھاتے ہیں جو دینداری اور علم میں اپنے آباؤ واجداد اور خلفاء راشدین کی سنتوں کی پیروی کرنے میں اور چارگانہ خلفاء کی سیرتوں کو اپنانے میں مشہور تھا اور علماء کے ساتھ اس کے مناظرے اور بحث وگفتگو اور اس کے نماز اور احکام دین اور حدود الٰہی کی حفاظت پر توجہ کا ہر محفل میں چرچا تھا؟

ان صفات کا حامل ہونے کے ساتھ کس طرح ممکن ہے کہ وہ بے باک فاسقوں جیسا راتوں میں آوارہ گردی اور ہوس بازی میں ادھر اُدھر پھرے اور بے لگام فاسقوں کی طرح آوارگی کرے اور راتوں کو بغیر اجازت کسی کے کوٹھے میں وارد ہو جائے اور اگلے عاشق پیشہ عرب کی راہ نوردی کرنے والوں کو مسلمانوں کے خلیفہ سے نسبت دیں اور ایسے افسانوں کو انکے بارے میں صحیح جانیں۔

(مقدمہ ابن خلدون ج ۱ ص ۳۵)

یہاں تک کہ وہ حضرت علیؑ اور معاویہ کے اختلاف کو اجتہاد میں اختلاف ہونا بیان کرتا ہے اور کہتا ہے : ”بلکہ وہ دونوں یعنی علیؑ اور معاویہ از روئے اجتہاد راہ حق میں اختلاف کر گئے اور ان میں سے ایک کی رائے دوسرے کے مخالف نکلی اور نتیجہ میں جنگ اور قتل چھڑ گئی ہر چند علیؑ بر حق تھے لیکن معاویہ کا بھی اس بارے میں باطل ارادہ نہ تھا بلکہ وہ بھی حق کا قصد رکھتا تھا لیکن حق پر پہنچنے میں خطا کر گیا اور دونوں اپنے مقاصد میں بر حق تھے“۔ (مقدمہ ابن خلدون جلد ۱، ص ۴۱۵)

تعجب خیز بات ہے کہ ابن خلدون قاتلان حضرت عثمانؓ کو بلوائی اور فتنہ پرور بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ انہوں نے قتل کر کے فتنہ و آشوب کے دروازے لوگوں پر کھول دیئے اسکے باوجود کہتا ہے : ”تمام لوگ جو اس وقائع میں شریک تھے معذور ہیں اور ان میں سے سب امر دینی کرنا چاہتے تھے اور دین سے متعلق کسی چیز کو تباہ نہیں کیا ہے۔ ان لوگوں نے اس واقعہ کے بعد اس کے بارے میں فکر اور اجتہاد کی ہیں۔ خدا ان کے حالات سے باخبر ہے اور انہیں جانتا ہے اور ہم ان کے بارے میں سوائے نیک خیال کے کچھ نہیں سوچتے ہیں کیونکہ ایک طرف خود ان کے احوال اور دوسری طرف ان کے بارے میں رسول صادق و امینؐ کے فرمان ہمارے مدعا کے گواہ ہیں“۔ (مقدمہ ابن خلدون جلد ا ص ۴۱۵)

قاتلان حسینؑ کے بارے میں بھی ابن خلدون کا یہی خیال ہے۔ صراحت کے ساتھ کہتا ہے : ”یزید کے ساتھ جو صحابی تھے، وہ بھی راہ حق اور اجتہاد پر چلے ہیں اور وہ جو حسینؑ کی اجتہاد کے موافق نہیں تھے اور ان کا ساتھ دینے سے گریز کرتے تھے اور یزید کے ساتھ تھے۔ ان کے بارے میں یہ غلط خیال نہیں کرنا چاہئے کہ وہ لوگ گناہ گار تھے“۔

ابن خلدون مزید کہتا ہے : حسینؑ نے یزید کی قدرت و طاقت کا اندازہ لگانے

میں غلطی کی، خدا ان کو بخش دے لیکن یہ غلطی دنیوی امور میں تھی اور اس طرح کی غلطی نقصان دہ نہیں ہے۔ لیکن شرعی حکم کے لحاظ سے غلطی نہیں کی کیونکہ یہ کام خود انؓ کے اپنے گمان اور استنباط سے مربوط تھا اور اس بات پر مرکوز تھا کہ آپؑ اس کو انجام دینے کی لازم طاقت رکھتے ہیں حالانکہ ابن عباس، ابن زبیر، ابن عمر اور انکے بھائی ابن حنفیہؓ اور دوسروں نے انہیں کوفہ جانے سے باز رکھنا چاہا اور اس بارے میں اشتباہ کو جانتے تھے۔ لیکن انہوں نے جو راہ اپنائی اس سے نہ پھرے کیونکہ یہ مشیت الٰہی تھی۔

"لیکن دوسرے صحابی حسین علیہ السلام کے علاوہ چاہے وہ لوگ جو حجاز میں تھے یا وہ لوگ جو شام عراق میں ساتھ تھے اور یزید کے ساتھ تھے یا وہ تابعین میں سے تھے۔ سب کا یہ عقیدہ تھا کہ اگرچہ یزید فاسق ہے لیکن اسکے خلاف قیام کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسے قیام کی صورت میں ہرج و مرج اور خونریزی پیش آئے گی اسی لئے وہ سب اس کام سے دور رہے۔ اور حسین علیہ السلام کی پیروی نہیں کی اور ساتھ ہی ان کی عیب جوئی اور ان پر نکتہ چینی بھی نہیں کی۔ انؑ سے گناہ کی نسبت نہیں دی۔ کیونکہ حسین علیہ السلام مجتہد بلکہ مجتہدین پیشہ تھے۔ پس غلط فکر سے ان لوگوں پر جو حسین علیہ السلام کے اجتہاد سے موافق نہیں تھے اور ان کی مدد کرنے سے دریغ کیا تھا گناہکاری کی نسبت نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ ان میں سے بیشتر صحابی تھے اور یزید کے ساتھ تھے اور اسکے خلاف قیام پر عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ (ترجمہ مقدمہ ابن خلدون جلد ۴۱۴)

دیکھ رہے ہیں آپ کہ کس طرح ایک مورخ جو معاشرتی علوم اور تاریخ میں تحریف شناسی کیلئے تعقل کا بانی ہے، وہ خود سب سے زیادہ فاحش تحریفات کے دامن میں غلطاں ہے اور عقیدہ و ایمان کی راہ میں ایثار و فداکاری کے سب سے

عظیم نمونے کو حسینؑ کے حریفوں کی خواہشات کے تحت بے ادبانہ طور پر غلطی اور خطاکاری سے نسبت دیا ہے۔

اور سب چیزوں کو "عصبیت" کے دریچہ سے دیکھتا ہے۔ کیونکہ حسینؑ جانتے تھے کہ یزید دنیوی شان و شوکت اور فوجی طاقت کے لحاظ سے ان سے برتری رکھتا ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اس راہ میں شہید ہو جائینگے لیکن راہ حق میں جہاد اور کلمہ اسلام کی سربلندی کیلئے قیام کرنے کے عظیم فریضہ نے ان کو ایسے حیرت انگیز اور تاریخی ایثار و فداکاری پر آمادہ کیا تاکہ آئندہ نسلوں کیلئے آئیڈیل اور نمونۂ عمل ہو اور مسلمان شہادت کو ظلم و جور اور باطل حکومت کی تابعیت پر ترجیح دیں۔ (ترجمہ مقدمہ ابن خلدون جلد ۱ ۴۱۵)

البتہ ابن خلدون کا نظریہ امام حسین علیہ السلام کے بارے میں "قاضی ابوبکر بن عربی کے" نظریہ سے پھر بھی نرم نظر آتا ہے کیونکہ قاضی ابوبکر بن عربی مالکی نے حسینؑ کے بارے میں یاوہ سرائی اور اپنی کتاب "العواصم من القواصم" میں کچھ مطالب ان معنوں میں بیان کیا ہے۔

"حسین علیہ السلام اپنے جد کے قانون شریت کے مطابق قتل ہوئے ہیں"

(ترجمہ مقدمہ ابن خلدون جلد ۱ ۴۱۸)

اور جو کچھ ان کو ایسی غلط بیانی پر لے آیا ہے صاحبان عقاید سے امام عادل کی جنگ کیلئے شرائط کے بارے میں غفلت کی وجہ سے ہے اور اس زمانے میں امامت و عدالت میں حسینؑ سے زیادہ عادل کون ہو سکتا ہے؟

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اسلام کے مورخین دنیا کے تمام واقعات کو اللہ کے ارادہ اور مشیت کی تخلیق جانتے ہیں۔ اور اس مشیت کی تحقیق کو تاریخ کا ھدف اور اصلی معنی جانتے ہیں۔ مثلاً: طبری ایک جگہ اس حدیث کو بیان کرتا ہے کہ:

خدا نے سب سے پہلی چیز جو خلق کیا وہ قلم تھا۔ اس سے کہا لکھ۔ اس نے کہا : پروردگارا، کیا لکھوں ؟ کہا : لکھو قدر، اسی وقت قلم حرکت میں آیا اور جو کچھ بھی واقع ہوا تھا جو آئندہ واقع ہونے والا تھا سب لکھنے لگا۔

(تاریخ الرسل والملوک طبری جلد ۱، ص ۳۰)

حقیقت میں مورخ اس حدیث کو بیان کر کے یہ کہنا چاہتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ رونما ہوا اور رونما ہونے والا ہے اس کے معنی اور مقصد بجز ارادہ اور تقدیر الٰہی کچھ نہیں۔ (ڈاکٹر زرین کوب : تاریخ در ترازو، ص ۱۹۹)

ابن خلدون بھی واقعۂ عاشورا اور امامؑ کی تحریک کو جبریوں کے مذہب کی طرح خدا کا ارادہ اور مرضی سمجھتا ہے۔ لہٰذا جامعہ شناسی کا طریقۂ کار بھی تاریخی طریقۂ کار کی طرح شرح لازم ہے نہ شرط کافی۔ اس معنی میں کہ صرف جامعہ شناسی کے طریقہ سے یا عقل کے ذریعہ ماہیت عاشورا کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

۳۔ مسیحی طرز فکر

حضرت مسیحؑ کی شہادت کے فلسفہ کے بارے میں مسیحیت کا نظریہ ہے کہ حضرت مسیحؑ نے خود کو بشریت پر فدا کر دیا۔

یعنی اپنے خون کا "فدیہ" دیا، اپنے آپؑ کو قربان کیا تاکہ خدا فرزندان آدمؑ کو جو آدمؑ کی پہلی خطا کی وجہ سے جنت سے نکالے گئے ہیں، معاف کر دے اور انہیں جنت میں داخل کرے۔ انجیل کے صفحہ نمبر ۲۸۰ پر کہا گیا ہے :

"اس طرح خداوند سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی رحمت و محبت کی نشانی کو جسد کی صورت ظاہر کیا۔ پس اس جسد کو لباس پہنایا اور لازم تھا کہ قربانی دینے والا ہر عیب سے پاک و منزہ ہو تاکہ عدل خدا کے حق کی وفا ہو جائے اور خطاکار لوگوں کو نجات دے۔ پس مسیحؑ (یسوع) نے اس امر کیلئے قیام فرمایا

اور اپنے آپؑ کو ہمارے بدلے قربان کیا۔ پس عدل الٰہی کے تحت ہم پر جو ہمارے لئے عقاب اور موت واجب تھی (یعنی ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلنا) ہمارے بدلے کریم فدائی مرا اور عدل الٰہی کا حق ادا کیا"۔

بعض لوگ مسیحیت کے اسی نظریہ (عیسیٰ مسیحؑ کی شہادت) سے متاثر ہو کر کہتے ہیں: حسینؑ نے شہادت اور قتل ہونے کیلئے قیام کیا نہ کہ حکومت وقت سے جنگ لڑنے کیلئے تاکہ خود کو امت پر فدا کریں اور اہل بیتؑ کے دوستوں کی، جو اہل کبائر (گناہ کبیرہ انجام دینے والے) ہیں قیامت کے دن شفاعت کریں۔ اور یہاں تک کہ انکے سیئات کو قیامت کے دن حسنات میں بدل دیں۔ عالم ذرّ اور صبح ازل میں خدا سے عہد کیا ہے کہ تشنہ لب شہید ہو جائیں گے اور یہ وہی مسیحیت کا نظریہ ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں امامؑ نے خود فرمایا: "انا قتیل العبرة....."۔

امامؑ نے شہادت کو انتخاب کیا تاکہ ان کے شیعہ امامؑ کے مصائب پر آنسو بہائیں اور شیعوں کے گناہ بخش دیئے جائیں۔ وہ مارے گئے تاکہ امت کے گناہوں کا بوجھ اپنے ذمہ لیں، تاکہ ان کے مُحِبّین جو بھی گناہ کریں آسودہ خاطر رہیں۔ اس نظریہ اور طرز فکر کے تحت اس واقعہ کے صرف تاریک اور سیاہ صفحہ کو پڑھا جائے کوئی اور چارہ نہیں اور صرف نوحہ و مرثیہ مرکز توجہ رہے۔

بیان کرتے ہیں کہ محبان اہل بیتؑ کو چاہئے کہ امامؑ کے مصائب پر آنسو بہائیں تاکہ امام حسینؑ کی شہادت انکے شامل حال ہو۔ کیونکہ آنحضرتؐ کی روح کجاوۂ قدسی سے آپؑ کی ناظر ہے۔ اور اپنی مجلس عزا میں حاضر عزاداروں کو شفقت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ (روضۃ الشہداء، ص ۳۳۸)

بعض لوگوں کے قول کے مطابق یہ نظریہ سب سے زیادہ مہارت کا مکرو فریب اور چالاکی ہے کہ حسینؑ کی عظمت اور جلال کو محفوظ رکھنے کے ساتھ

ساتھ ان کی شہادت کو کھوکھلی اور معنی و مقصد سے خالی بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی حسینؑ کے قاتلوں کو بھی بری الذمہ قرار دیتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اپنے ارادہ سے نہیں بلکہ مشیت الٰہی میں اس کام کیلئے روز الست سے ہی منتخب ہوئے تھے اور الٰہی ارادہ کے اجراء کیلئے آلۂ کار بنے تھے اور ساتھ ہی تمام یزیدی صفت جابروں اور معاویہ جیسے بیعت لینے والوں کو ہمیشہ کیلئے عاشورا کے خطرہ اور امام حسینؑ کے ذکر و یاد سے محفوظ بناتا ہے تاکہ شہادت کی جہت کو جور و غصب کی طاقتوں کے مقابلہ سے ہٹا کر ایسے سمت لے آئیں جہاں کسی شخص اور کسی بھی چیز کے خلاف نہ رہے۔ (حسینؑ وارث آدمؑ ص ۱۹ مجموعہ آثار ص ۱۸۹)

استاد شہید مطہریؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"چند سال پہلے میں نے ایک کتاب میں دیکھا تھا کہ مصنف نے حضرت امام حسینؑ بن علیؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا موازنہ کیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ عیسائیوں کا عمل مسلمانوں (شیعوں) کے عمل سے بہتر اور افضل ہے کیونکہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی شہادت کے دن جشن کرتے اور خوشیاں مناتے ہیں اور یہ لوگ حسینؑ کی شہادت کے دن مرثیے پڑھتے اور روتے ہیں۔ اُن لوگوں کا عمل ان لوگوں کے عمل سے اس لئے افضل ہے کہ وہ شہادت کو حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ کی ناکامی نہیں کامیابی سمجھتے ہیں اور چونکہ کامیابی سمجھتے ہیں اس لئے خوشی مناتے ہیں لیکن مسلمان شہادت کو ہزیمت جانتے ہیں اور چونکہ ہزیمت جانتے ہیں روتے پیٹتے ہیں۔ لہٰذا وہ قوم مبارک ہے جو شہادت کو کامیابی سمجھتی ہے اور جشن مناتی ہے اور اس قوم پر افسوس ہے جو شہادت کو شکست گردانتی ہے اور اس کی خاطر مرثیہ خوانی کرتی ہے"۔ (حماسۂ حسینی، ج ۱ ص ۱۱)

مرحوم علامہ شیخ محمد جواد بلاغیؒ (متوفی ۱۳۵۲ھ) مسلمانوں کے نظریہ "فدا" کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں :

"ان سے پوچھو آیا مسلمانوں کے یہاں "فدا" کیلئے کوئی معقول معنی موجود ہے ؟اور آیا یہ ممکن نہیں کہ اولیاء خدا میں سے بعض اپنے آپ کو فدا کریں ؟جواب دوں گا : لیکن "فدائی" جس معنی میں متکلف کہتا ہے وجود نہیں رکھتا اور خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ جی ہاں ! جو بھی شخص دعوت حق کو آشکار کرے اور باطل کے مقابل کھڑا ہو اور اپنے سینہ کو تیر بلا، تیغ جفا اور اذیّت و آزار کا نشانہ بنائے اور لوگوں کی حق کی طرف راہنمائی میں کسی بھی بُرا بھلا کہنے والے سے خوف نہ رکھتا ہو۔ فدائی وہ شخص ہے جو خدا کے نور ہدایت سے ہدایت پاتا ہے اور جملہ فدائیوں میں سے وہ ایسا فدائی ہے جو جہاد فی سبیل اللہ میں ہر طرح کے آزار اور ستم کو سہے اور اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان راہ حق میں نثار کرے۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ اگر کلمۂ حق کا اعلان ظاہری فتح و کامیابی سے نہیں ہوا تو ظلم و ستم کو برداشت کر کے اسے جلوہ نما کرے اور ان کے ساتھ دشمنوں کے برے سلوک اور اذیت و آزار کلمۂ دین کی سربلندی اور راہ حق کو روشن بنانے کا ایک وسیلہ بن جائے گا۔ اور لوگوں کو گمراہ کرنے والوں اور ان پر ستم کرنے والوں سے آگاہ کرے گا۔ لیکن ہمارے لئے ممکن نہیں کہ مسیح کو اس معنی میں فدائی کہیں۔ کیونکہ کتاب خدا صراحت کے ساتھ بیان فرماتی ہے۔ کہ وہ مارے نہیں گئے اور صلیب پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ وہ پہلے معنی کے فدائی ہیں"۔

(ترجمۂ الہدیٰ الی دین المصطفیٰ (اسلام آئین برگزیدہ) بہ ترجمۂ سید احمد صفائی، ص ۵۸۱، ۵۸۰)

الغرض یہ ایک مسیحی طرز تلقی اپنایا گیا ہے۔ اگر ہم کہیں کہ امام حسینؑ امت کے گناہوں پر فدا ہوئے، یعنی وہ مارے گئے تاکہ امت کے گناہ بخش دیئے جائیں اس نوع کا نظریہ امام حسینؑ کی تحریک کو بالکل مسخ کر دیتا ہے اور اسے گنہگاروں کی جائے پناہ کی صورت میں پیش کرتا ہے اور انکے قیام کو دوسروں کی بد اعمالی کا کفارہ قرار دیتا ہے۔ امام حسینؑ قتل ہوئے تاکہ گناہکاروں کا عذاب الٰہی سے بیمہ ہو جائے۔

اس طرز فکر کے لوگوں کا مسیحیوں سے تنہا فرق یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی بہانہ ضروری ہے خواہ مکھی کے پر کے برابر بھی ہو سکے آنسو بہائے یا دوسروں کو رلائے یا تُبکا کی (رونے کی صورت بنائے) تو یہی مغفرت کیلئے کافی ہے اگرچہ اپنی عمر بھر میں ایک رکعت نماز بھی نہ پڑھی ہو۔

بقول شاعر اصفہانی کہ کسی آدمی کو قیامت کے دن لائینگے، درشت اور سخت ملائکہ اسے عدالت الٰہی میں حاضر کرینگے اور اسکے گناہوں پر شہادت دینگے۔ لیکن حساب و کتاب کے ملائکہ اس پر توجہ نہیں دینگے اور نہ شہادت قبول کرینگے کیونکہ اس نے ایک قطرہ آنسو امام حسینؑ کیلئے ہدیہ کیا ہوا ہے۔ (دیوان مکرم ص ۱۴۳)

اگر این مرد اشکی ہدیہ کردہ ولش کن گریہ کردہ

(اگر اس آدمی نے آنسو ہدیہ کیا ہے تو اسے چھوڑ دے کیونکہ اس نے آنسو بہایا ہے)

عیان گر معصیت یا خفتہ کردہ ولش کن گریہ کردہ

(اگر اس نے خلوت یا جلوت میں گناہ کیا ہے چھوڑ دو اس نے آنسو بہایا ہے)

نماز این بندۂ عاصی نکردہ مہ حق روزہ خوردہ

ولی یک نالہ در یک تکیہ کردہ ولش کن گریہ کردہ

(اس گناہ گار نے نماز نہیں پڑھا ہے حق کے مہینہ میں روزہ کھایا ہے لیکن

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Mo... omen Welfare Trust (R)
Shop No 11 M.L Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar Karachi-74400, Pakistan

کسی مجلس میں سر آہ ونالہ کیا ہے اسے چھوڑ دو اس نے آنسو بہایا ہے)

اگر پستان زنہار ابریدہ　　شکھا شان دریدہ

ہزاراں مرد را بے خصیہ کردہ　　ولش کن گریہ کردہ

(اگر چہ عورتوں کی چھاتی کاٹا ہے اور ان کے پیٹ کو چیر ڈالا ہے' اگر چہ ہزاروں مردوں کو خصی کر ڈالا' چھوڑ دو اس نے آنسو بہایا ہے)

اگر از کودکان شیر خوارہ　　شکھا کردہ پارہ

(اگر شیر خوار بچوں کے پیٹ چاک کیا ہے)

بہ دستہ گریہ ھای نسیہ کردہ　　ولش کن گریہ کردہ

(جلوس میں اس نے آنسو بہایا ہے چھوڑ دو اس نے آنسو بہایا ہے)

خوراک او ہمہ مال یتیم است　　گناہ او عظیم است

(اس کی خوراک ہمیشہ مال یتیم ہے اسکا گناہ عظیم ہے')

خطا در شہر و ہم در قریہ کردہ　　ولش کن گریہ کردہ

(شہر اور گاؤں میں بھی گناہ کیا ہے چھوڑ دو اس نے آنسو بہایا ہے)

اگر بر ذمہ او حق ناس است　　خدا را ناشناس است

(اگر اسکے ذمہ حق ناس ہے' خدا کو وہ نہیں پہچانتا ہے)

برائے خود جہان را فدیہ کردہ　　ولش کن گریہ کردہ

(دنیا کو اپنے لئے فدیہ کیا ہے' چھوڑ دو اس نے آنسو بہایا ہے)

بہ دست خود زدہ قدارہ بر فرق　　بہ خون خود شدہ غرق

(اپنے ہاتھوں سے سر پہ تلوار مارا ہے' اپنے خون میں نہا چکا ہے)

تن خود زین ستم بے بینہ کردہ　　ولش کن گریہ کردہ

(اپنے جسم کو اس ظلم سے کمزور کیا ہے' چھوڑ دو اس نے آنسو بہایا ہے)

نمی ارزد دو صد تقیع ناموس　　بہ یک سبوح و قدوس

(سیکڑوں ناموس کی بربادی کوئی قدر نہیں رکھتی ہے۔ ایک سبوح و قدوس کے برابر)

اگر اشکی روان بر لحیہ کردہ　　ولش کن گریہ کردہ

(لیکن اگر اشک رواں سے ڈاڑھی تر کی ہے، چھوڑدو اس نے آنسو بہایا ہے)

یہ لوگ اس سے غافل کہ حسینؑ اس لئے شہید ہوئے تاکہ دین زندہ رہے اور احکام الٰہی پر عمل ہو سکے۔ امامؑ کی نظر میں دین کی اتنی قدر و قیمت ہے کہ اس کی حفاظت کیلئے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اپنے عزیزوں کو قربان کر دیا اور دین کے پیشواؤں کی طرف سے یہ وصیت رہی ہے کہ اس واقعہ کی یاد ایک مصیبت کے طور پر منانی چاہئے اور لوگ ان پر گریہ کریں۔ اس ذکر اور رونے رُلانے کا فلسفہ اس واقعہ کو زندہ رکھنا ہے تاکہ ہمیشہ دلوں میں اس کی یاد زندہ و تازہ رہے۔ اور فلسفۂ احیاء یہ ہے کہ اس تحریک کا اصلی مقصد ہمیشہ کیلئے زندہ رہے اور امام حسینؑ ہمیشہ ہر زمانے میں لوگوں کے سامنے اس صورت میں ظاہر رہیں اور لوگ ان کے پیام کو ان کی زبانی سنتے رہیں کہ :"الا ترون ان الحق لا یعمل به وان الباطل لایتناهی عنه" کیا نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے روکا نہیں جا رہا ہے" ان حالات میں موت زندگی سے بہتر ہے "لا اری الموت الاسعادة والحیاة مع الظالمین الا برما"۔ "میں موت کو سعادت کے سوا کچھ نہیں سمجھتا اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو ننگ و عار سمجھتا ہوں"۔

لیکن افسوس کہ رونے اور رُلانے کے مقصد پر توجہ دینے کے بجائے خود گریہ وزاری اس ہلا دینے والی تحریک کا مقصد قلمداد ہوئی ہے اور لوگ بہتر اور زیادہ تر گریہ کرنے کیلئے اور اپنے گناہوں کو دھونے کیلئے ایک خاص قسم اور طریقہ

عزاداری بنا چکے ہیں۔ غلط اور جھوٹے مصائب جعل ہوئے ہیں اور.....اس طرز فکر سے حادثۂ کربلا صرف ایک مصیبت اور جنایت ہے۔

ظاہر ہے جب حادثہ پر صرف جنایتی پہلو سے توجہ دی جائے تو اس صورت میں امامؑ ایک جاوید اور ہمیشہ زندہ رہنے والے حادثہ کا ہیرو نہیں بنے گا بلکہ ایک بیچارہ اور مظلوم انسان سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا اور اس صورت میں صرف اس کی مظلومیت پر رونا چاہئے اور مرثیہ خوانی نوحہ سرائی کرنا چاہئے۔ لہٰذا اس طرز فکر کے افراد نے جو شعر پڑھے ہیں صرف مرثیہ اور مصیبت ہے۔ اور تحریک عاشورا سے انکا صرف اسکے رقت انگیز اور متاثر کرنے والے اور رُلانے والے پہلو اور حالات کو اخذ کیا ہے۔

محتشم کاشانی کے وہ مشہور بارہ بند اس کے درخشان نمونوں میں سے ہیں جو دلوں میں رقت اور سوز جگر کیلئے پڑھے گئے ہیں :

بازاین چہ شورش است کہ در خلق عالم است

بازایں چہ نوحہ وچہ عزاوچہ ماتم است

(پھر یہ کیسی شورش دنیا کے لوگوں میں بپا ہے، پھر یہ کیسا نوحہ اور کیسی عزا اور کیسا ماتم ہے ؟)

دوسرے بند میں آدمی کو فریاد، ہیجان واحساس اور جذبات کی وادی میں کھینچ کر لے جاتا ہے اور دلوں کو تڑپا دیتا ہے :

کشتی شکست خوردۂ طوفان کربلا

در خاک وخون طپیدہ بمیدان کربلا

(طوفان کربلا میں شکستہ کشتی، خاک وخون میں غلطاں ہے میدان کربلا میں)

گر چشم روزگار بر اوزار می گریست

خون می گذشت از سر ایوان کربلا

(اگر زمانے کی آنکھ اس پر زار و قطار روتی' ایوان کربلا خون میں ڈوب جاتا)

نگرفت دست دہر گلابی بغیر اشک

زان گل کہ شد شگفتہ بہ بوستان کربلا

(زمانے کے ہاتھ کوئی گلاب نہیں آیا جو کربلا کی پھلواری میں کھلا ہو اور آنسو سے تر نہو)

از آب ہم مضائقہ کردند کوفیاں

خوش داشتند حرمت مہمان کربلا

(کیا خوب مہمان کربلا کا احترام کیا' کوفیوں نے پانی تک نہ دیا')

بودند دیوودد ہمہ سیراب دمی مکید

خاتم ز قحط آب سلیمان کربلا

(لیکن سلیمان کربلا کی انگوٹھی پانی کے قحط میں مبتلا رہی جبکہ چرند و پرند سب کے سب سیراب ہو رہے تھے)

زان تشنگان ہنوز بہ عیوّق می رسد

فریاد العطش ز بیابان کربلا

(ابھی تک اُن تشنہ لبوں کی فریاد العطش بیابان کربلا سے فضا میں گونج رہی ہے')

ساتویں بیت میں جذبات اور محبت کا احساس کی بلندی پڑھتا ہے :

روزی کہ شد بہ نیزہ سر آں بزرگوار

خورشید سر برہنہ بر آمد ز کوہسار

(سورج پہاڑوں کی پشت سے ننگے سر نکل آیا' جس روز شہِ دین کا سر نیزہ پر چڑھا)

موجی بہ جنبش آمد و بر خاست کوہ کوہ

ابری بہ بارش آمد و بگریست زار زار

(بادل گرجنے لگے اور برس کر زارو قطار رونے لگے' دریا کی موجیں
حرکت میں آئیں اور پہاڑ تک بلند ہوئیں)

اور گیارہویں بیت میں خود کو مخاطب کر کے کہتا ہے :

خاموش محتشم کہ دل سنگ آب شد

بنیاد صبر و خانہ طاقت خراب شد

محتشم خاموش اب تو پتھر دل پانی ہو گئے' صبر کا یارا نہیں اور طاقت ختم ہو گئی)

خاموش محتشم کہ از این شعر خون چکان

در دیدہ شک مستمعان خون ناب شد

اے محتشم خاموش ہو جاؤ کہ ان خونچکاں اشعار سے 'سننے والوں کی
آنکھوں کے آنسو خون ہو گئے)

خاموش محتشم کہ از این نظم گریہ خیز

روی زمین بہ اشک جگر گون کباب شد

محتشم خاموش کہ اس رُلا دینے والی نظم سے 'زمین جگر سوز آنسو سے
کباب ہو گئی)

خاموش محتشم کہ ازین درد سوزناک

مرغ ہوا و ماہی دریا کباب شد

(اے محتشم خاموش ہو جاؤ! کہ اس پر سوز درد سے ہوا میں پرندے اور
دریا میں مچھلی بھن کر کباب ہو گئے)

خاموش محتشم کہ فلک بسکہ خوں گریست

دریا ہزار مرتبہ گلگون حباب شد

محتشم خاموش کہ فلک اس قدر خوں رویا ہے کہ دریا ہزاروں بار سرخ پیلے ہو گیا)
خاموش محتشم کہ زذکر غم حسینؑ
جبرئیلؑ رااز روئے پیمبرؐ حجاب شد
(خاموش محتشم کہ غم حسینؑ کے ذکر سے، پیامبرؐ کے سامنے جبرئیلؑ
شرمندہ ہیں۔(دیوان محتشم، چاپ مہر علی گرگانی ص ۲۸۵۔۲۸۴)

دوسرے اشعار بھی من جملہ "وصال شیرازی" کے چودہ اشعار اور "مدرس اصفہانی" کے بارہ اشعار اور "غروی کمپانی" کے بارہ اشعار اور "بید گلی" کے چودہ اشعار اور بہت سے دوسرے مرثیے اور رباعیات اور مثنویاں وغیرہ اسی طریقے سے سبک کلام والے بڑے شاعروں کے ہیں۔ اس طرز فکر کے لوگوں کا تکیہ صرف رونے اور مرثیہ اور حسرت و غم واندوہ اور درد والم کے اظہار پر ہے۔ اور ان کا طریقہ جذبات کو حرکت میں لانے کے علاوہ کچھ اور نہیں اور ان کا ہدف یہ ہے کہ لوگ امام حسینؑ کی مظلومیت اور انکے مصائب پر روئیں تاکہ ان کے گناہ بخش دیئے جائیں۔ وہی باتیں جو مسیحی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کہتے ہیں ان کا بھی نفس کلام یہی ہے کہ حسینؑ مارے گئے تاکہ امت کے گناہوں کا بوجھ اپنے کاندھے پر لے لیں۔

اگر مرثیہ خوانی کا مقصد یہ ہو جو مسلماً و یقیناً ایسا نہیں ہے، کوئی بھی اس سے مخالفت نہیں کرے گا اور یہاں تک کہ اگر "یزید بن معاویہ" اور عبید اللہ بن زیاد" قاتلان امام علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ نہ صرف ایسی عزاداری اور مرثیہ خوانی کی مخالفت نہ کرتے اور نہ روکتے بلکہ خود بھی اسکے بانی بن جاتے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سلاطین اور حاکمین جو ظلم و ستم میں ان سے کم نہیں رہے بذات خود ایسی مجالس اور عزاداری بھی برپا کرتے ہیں اور ایام محرم میں امام بارگاہوں میں عزاداری

کرتے ہیں۔ اور یہاں تک کہ جانسوز اشعار اور نوحے بھی اس بارے میں پڑھتے ہیں۔ اسی طرح دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ لوگ جو کسی طور سے امامؑ اور صاحب تحریک عاشورا سے نسبت نہیں رکھتے، عزاداری کی مجلسوں اور جلوسوں میں ہاتھ پیر توڑتے ہیں اور اپنے آپ کو عزادار دکھاتے ہیں۔

اس طرح وہ جذبہ اور ہیجان جو اس حادثہ میں موجود ہے سرد پڑ جاتا ہے اور سکوت کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ وہ تحریک جو تاریخ کے جابروں اور ظالموں کیلئے خطرہ ہو سکتی ہے، اس عمل سے معاشرہ میں بے حسی پیدا ہو جاتی ہے اور تمام یزید طول تاریخ میں عاشورا کے خطرہ اور ذکر حسینؑ کے خطرہ سے ہمیشہ کیلئے مصئون ہو جاتے ہیں۔

مسلماً حادثۂ عاشورا صرف مرثیہ اور ذکر مصیبت نہیں ہے۔ اور مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی اور عزاداری اسکا صرف ایک پہلو ہے۔ البتہ ابا عبداللہ کی مظلومیت پر عزاداری اور گریہ وزاری ہونا چاہئے لیکن ان کے عظیم قیام کے اہداف کو بھی مد نظر رکھ کر اور اگر کوئی شاعر امامؑ کے سوگ میں شعر کہتا ہے اسے چاہئے کہ پہلے امامؑ اور ان کے مرام کو پہچانے اور یہ جان لے کہ کیوں امامؑ نے قیام کیا۔ اس کا سبب کیا تھا، اسکے بعد اس طرح شعر کہے کہ امامؑ کی شان اور مقام کے موافق ہو اور اسکا شعر با مقصد اور شجاعت و دلاوری، عزت بخش اور جوش و حرکت میں لانے والا ہو۔ بالکل اسی طرح جس طرح ائمہ اطہار علیہم السلام کے زمانے میں مرثیہ سرائی کرتے تھے اور ان کے سامنے مرثیہ اور نوحہ پڑھتے تھے۔ اور امامؑ کی طرف سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ ان کے اشعار میں مذکورہ خصوصیات اور امتیازات موجود ہوتی تھیں۔ آپ عصر ائمہؑ کے مرثیہ کو "کمیت اسدی" اور "دعبل خزاعی" کے اشعار کا آجکل کے مرثیوں سے مقایسہ کریں تو پتہ چلے گا کہ ان

ونوں کی طرز فکر میں کس قدر اختلاف ہے۔

مفکّر شہید مطہریؒ فرماتے ہیں :

"میرا دل چاہتا ہے کہ آپ لوگ "کمیت اسدی" کے اشعار کو محتشم کے اِن اشعار سے (کہ جس کیلئے ہزار خواب بیان کیا جاتا ہے) مقایسہ کریں اور دیکھیں کہ وہ کہاں ہے اور یہ کہاں۔ کمیت اسدی اپنے اشعار سے امام حسینؑ کے مکتب کا نشان دے رہا ہے۔ کمیت اسدی کے یہ اشعار ایک لشکر سے بھی زیادہ بنو امیہ کیلئے ضرر رساں تھے۔ یہ شخص ایک ذاکر تھا اور کیسا ذاکر تھا؟ ایسا شعر کہتا تھا کہ دنیا کو ہلا کر رکھ دیتا تھا۔ دستگاہ خلافت کے ایوانوں کو لرزا دیتا تھا..... اور انہوں نے ان اشعار اور اسی قسم کی مرثیہ خوانی سے کیسی سختیاں جھیلیں اور کیسے زمانے دیکھے اور کس برے طریقے سے کُمیت کو قتل کر دیا گیا....."

(دہ گفتار، ص ۲۱۶۔ ۲۱۵ انتشارات حکمت، چاپ اول، ۱۳۵۶ش)

جی ہاں! کمیت اسدی نے امام حسینؑ کی شہادت کے خونین پیام کو قصیدوں اور غزلیات کے قالب میں بیان کیا اور اس کے شعر کے ایک ایک بیت سے ایسے مہیب دھماکے ہوئے کہ یزیدوں کے ایوان لرز گئے اور ان کی آنکھوں کی نیند اڑ گئی۔ وہ صراحت کے ساتھ عاشورا کے زندہ جاوید حماسہ کا ذکر کرتا تھا اور اس کا شعر جو بھی سنتا عاشورا کا منظر اس کی نظروں میں مجسم ہو جاتا تھا۔ حق و حقیقت کیلئے اس کے جذبات بیدار ہو جاتے تھے۔ وہ اپنے ایک بلند قصیدے کے ضمن میں سالار شہیدان اور انکے زندۂ جاوید حماسہ کو اس طرح یاد کرتا ہے :

كان حسينا والبها ليل حوله لأسيافهم مايختلى المتبتل

(گویا حسینؑ اور انکے جاں نثار اصحاب دشمنوں کی تلوار کیلئے سبز بالیوں کی

مانند کھڑے تھے کاٹ دیئے گئے)

فلم ار مخذولا لاجل مصیبة واوجب منه نصرة حین یخذل

(میں کسی بھی بے کس وبے یار ومددگار کو ان سے زیادہ مدد ویاری کا مستحق نہیں جانتا)

یصیب به الرامون عن قوس غیرهم فیاآخراً اشدی له الغی اول

(تیر برسانے والے کسی دوسرے کی کمان سے اس کی طرف تیر پھینکتے تھے یعنی دشمن کے آلۂ کار تھے اور بہت ممکن ہے یہ ظلم کا راستہ پہلے والا آخری کیلئے بنا گیا ہے)۔(ادب الطف، ج ا ص ۱۸۱)

کمیت اس آخری بیت میں حادثۂ عاشورا کی جڑ تک پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ اس عظیم ظلم کیلئے پہلے والوں نے راستہ ہموار کیا اور یزید نے اسے عملی جامہ پہنایا۔

کمیت نے یہ اشعار امام صادقؑ کے حضور میں کوہ منیٰ میں پڑھے اور عاشورا پر گفتگو کی، منیٰ کی فضا گریہ ونالہ سے پُر ہو گئی۔

امام صادق علیہ السلام نے چشمِ گریان کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا: خدایا! کُمیت کے گناہوں کو بخش دے اور اسے اس قدر عطا فرما تا کہ وہ راضی ہو جائے۔(الغدیر: ج ۲، ص ۱۹۲)

پھر امامؑ کا مورد تقدیر و تحسین قرار پایا۔

کمیت اپنے اشعار میں بنوامیہ کے ظالموں کو امامؑ کی شہادت اور دوسرے جرائم کا ذمہ دار جانتا ہے اور ان کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

قتلك ملوك السوء قد طال ملكهم فحتّیٰ مَ حُتّی مَ العناءُ المطول

وماضرب الامثال فی الجور قبلنا لاجور من حك مفاالمتمثل

"یہ لوگ رسولؐ خدا کے خلیفہ نہیں ہیں بلکہ بادشاہان ستمگر ہیں جنکی

عرصۂ حکومت نے طول پکڑلی۔ پھر کب تک اور کہاں تک یہ سیاہ اور جانکاہ ظلم کو دوام رہے گا۔ ہم سے پہلے جو ظالم اپنے ظلم میں ضرب المثل تھے، کبھی بھی ہمارے زمانے کے حکام اور ظالموں سے زیادہ ستمگار نہیں تھے۔ ان بنوامیہ نے ان سب کو سر خرو کر دیا۔

لیکن جنہوں نے حادثۂ کربلا کو صرف جذبات کے تحت اور گریہ وماتم کے پہلو سے دیکھا وہ زمانے کو شہادت امام حسینؑ کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ جیسا کہ محتشم گیارہویں شعر میں اپنے بارہ بیتی میں کہتا ہے :

تا چرخ سُفلہ بود خطائی چنین نکرد بر ہیچ آفریدہ جفایش چنین نکرد

(زمانے نے کبھی ایسی خطا نہیں کی تھی اور کبھی کسی مخلوق پہ ایسا ظلم نہیں کیا تھا)

اور بارہویں بیت میں کہتا ہے :

ای چرخ غافلی کہ چہ بیداد کردہ ای وز کین چھادرین ستم آباد کردہ ای

(اے زمانہ تو غافل ہے، نہیں جانتا کہ تونے کیسا ظلم کیا ہے)

(اور کینہ سے کیسے ظلم اس ستم آباد میں تونے کئے ہیں)

بر طعنت این بس است کہ بر عترت رسولؐ

بیداد کردہ خصم و تو امداد کردہ ای

(تم پر لعن و طعن کیلئے یہی کافی ہے کہ عترت رسولؐ پر دشمن نے ظلم و ستم کیا ہے اور تونے اس کی مدد کی ہے)

ای زادۂ زیاد نکردہ است ہیچگہ نمرود این عمل کہ تو شداد کردہ ای

(اے ابن زیاد نمرود نے بھی کبھی ایسا نہیں کیا ہے جو تجھ جیسے شداد نے کیا ہے)

کام یزید دادہ ای، از کشتن حسینؑ بنگر کہ را بہ قتل کہ دلشاد کردہ ای

(تونے قتل حسینؑ سے یزید کا دل خوش کیا، دیکھ لو کہ کس کو تم نے کس

کے قتل سے خوش کیا ہے)

بہر خسی کہ بار درخت شقاوتست　　درباغ دین چہ باگل و شمشاد کردہ ای

(ایک تنکے کی خاطر جو شجرۂ شقاوت سے لگا ہوا ہے باغ دین میں تو نے گل اور شمشاد کے ساتھ کیا کیا ہے)

بادشمنان دین نتوان کرد آنچہ تو　　با مصطفیؐ وحیدرؑ واولاد کردہ ای

(دشمن دین کے ساتھ بھی ایسے سلوک نہیں کر سکتے جو تو نے مصطفیؐ، حیدر اور ان کی اولاد کے ساتھ کیا)

حلقی کہ بودہ لعل لب خود نبیؐ بر آن آزردہ اش بہ خنجر فولاد کردہ ای

(وہ گلا جس پر نبیؐ نے بوسہ دیا تھا تو نے اسے خنجر فولاد سے آزردہ کیا ہے)

ترسم ترا دمی کہ بہ محشر در آورند　　از آتش تو دود بہ محشر در آورند

(مجھے ڈر ہے کہ جس دم تجھے میدان حشر میں لائینگے تیری آگ کے دھواں سے بھر جائے)۔(دیوان مولانا محتشم کاشانی، کوشش مہر علی گرگان از انتشارات کتابفروشی محمودی، ص ۲۸۵)

اور دوسرا شاعر آسمان کو مخاطب کر کے کہتا ہے :

فلک آندم زدی آتش تو خرگاہ ولایت را

دو کودک از میان گم شد برو ای چرخ پیدا کن

(اے آسمان جس وقت تو نے ولایت کے خیمہ کو آگ لگادی تو درمیان سے دو بچے کھو گئے جا اے زمانہ ان کو تلاش کر کے لا۔)

اگر پیدا نگردند آن دو طفل بی پدر امشب

مہیای عقوبت خویشتن را بہر فردا کن

(اگر وہ دو یتیم بچے آج رات نہیں ملے تو جا! اپنے آپ کو کل کے عذاب

وعقاب کیلئے تیار کر)

۴۔ صوفیہ اور اہل عرفان کا طریقہ کار

صوفیہ اور عارف حضرات حادثۂ عاشورا کو اپنے عرفان نظری و عملی کی چار چوب اور حصار میں تفسیر کرتے ہیں۔ اس نظریہ میں تحریک حسینؑ عشق کی پیداوار ہے۔ عاشورا کے قہرمان پاک باز عاشق تھے جنہوں نے "الست" کے وعدہ کو نبھایا اور اس پر وفا کیا۔ اور عاشقانہ حق سے جا ملے اور فنا ہو گئے۔

دوسرے لفظوں میں وہ لوگ ایسے سالک تھے جو سالک محبّ کے مقام سے سالک محبوب کے مقام تک راہ پا گئے تھے۔ اسی بنا پر حضرت حق نے ان لوگوں کو مقام فنا اور شراب وصل پینے کے درجہ تک پہنچایا اور اعلیٰ علیین میں ان کو جگہ دی۔

ای مردرہ عشق بکش بار ملامت یادر گذر از عشق وبرو خوش بہ سلامت

(اے راہ عشق کے رہرو ملامت و سختی کو برداشت کر، یا عشق سے ہاتھ کھینچ لے اور سلامتی کے ساتھ خوش خوش چلا جا)

سب سے پہلی کتاب جو فارسی میں سید الشہدا علیہ السلام کے مصائب اور مرثیہ پر لکھی گئی وہ کتاب ظاہراً "روضۃ الشہداء" ہے، جسے "مُلّا حسین کاشفی" (متوفی ۹۱۰) نے لکھا ہے۔ وہ اسکے باوجود کہ ایک حنفی فقیہ اور نقشبندی صوفی تھے جس نے فقہ حنفی کا ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔

(ہدیۃ العارفین، ج ۱، ص ۳۶۱)

سنہ ۹۰۸ میں انہوں نے مجالس عزاداری کے بارے میں سب سے پہلی اور اہم کتاب لکھی اور اس کا نام "روضۃ الشہداء فی مقاتل اہل بیتؑ" رکھا۔ روضۃ الشہداء ایک ایسی کتاب ہے جس میں پیامبروں کے مصائب اور ائمہ علیہم السلام کے حالات کی تفصیل خصوصاً حادثۂ عاشورا کی شرح و تفصیل موجود ہے جو نثر

فارسی اور عربی نصوص اور اشعار سے مزین ہوا ہے۔ "فضولی بغدادی" (متوفی ۹۶۳) ترکی زبان کے مشہور شاعر نے اسکا ترکی زبان میں ترجمہ کیا اور اسکا نام "حدیقۃ السُعداء" رکھا۔ (مقدمہ "روضۃ الشہداء" ص ۸، میں لکھا ہے کہ "حدیقۃ السعداء" دوسری بار جامی قیصری کے قلم سے ترکی زبان سے فارسی میں بنام "سعادت نامہ" ترجمہ ہوا)

"کاشفی" نے روضۃ الشہداء میں امام حسینؑ کو ایک صوفیانہ شخصیت بتایا ہے۔ جس نے رضاو توکل کے آگے سر تسلیم خم کیا تھا۔ اس طرح کہ جب جنوں کے پادشاہ نے امامؑ کے قتل ہونے سے پہلے امامؑ کے حضور ظاہر ہو کر خبر دیا کہ وہ اجناء جو مولا علی علیہ السلام کے ہاتھوں اسلام لائے ہیں آپؑ کے ایک اشارہ کے منتظر ہیں تاکہ آپؑ کے دشمنوں کو نابود کر دیں۔ امامؑ نے اُن کی مدد قبول کرنے سے انکار فرمایا: "قضائے الٰہی پر راضی ہوں"۔

رضابدادہ بدہ وز جبین گرہ بگشای کہ بر من و تو در اختیار نگشادہ است

(جو تمہیں دیا گیا ہے اسی پر راضی رہو اور پیشانی کے بل دو کیونکہ مجھ پر اور تم پر اختیار کا دروازہ بند ہے)

ایرانی معاشرہ میں روضۃ الشہداء بہت جلد اس عنوان مقبول ہو گئی کہ مجالس میں اسکا پڑھنا ایک مشغلہ کی صورت اختیار کر گیا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو جو وعظ و نصیحت کرتے تھے اور مجلس پڑھتے اور مصائب اہل بیت علیہم السلام بیان کر کے لوگوں کو رُلاتے تھے "روضہ خوان" کا نام دیا گیا ہے۔

(روضات الجنات، ص ۲۵۶)

اور ابھی تک عراق میں مجلس پڑھنے والے ذاکر کو "قاری" کہتے ہیں جو "روضہ خوان" کا عربی ترجمہ ہے "قاری الروضہ"۔ (تشیع و تصوف، ص ۳۲۶)

روضہ پڑھنے والا جسے اختصار میں قاری کہتے ہیں۔

کتاب روضۃ الشہداء ایرانی شیعوں کے درمیان ہاتھوں ہاتھ پھری..... یہاں تک کہ صفویوں کے دور سے پہلے محرم اور صفر کے مہینوں میں منبر سے پڑھی جاتی تھی۔(مقدمۂ نفیسی بہ لب لباب مثنوی)

خود اس نے روضۃ الشہداء کے مقدمہ میں لکھا ہے :"محبان اہل بیتؑ میں سے کچھ لوگ ہر سال محرم میں سید الشہداء کے مصائب کو تازہ کرتے ہیں اور انکی یاد مناتے ہیں اور فرزندان پیغمبرؐ کی عزاداری کا اہتمام کرتے ہیں۔

(روضۃ الشہداء ص ٦)

اور مقتل و مصائب حسینؑ کے بارے میں لکھی گئی کتابوں اور روایات کے متفرق ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے ان سب روایات کو جمع کر کے کتاب کی صورت تنظیم و ترتیب دینے کا شوق ہوا اور "روضۃ الشہداء" کی تالیف سے اس مہم کو انجام دیا ہے۔ یہاں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ممکن ہے امام حسینؑ پر گریہ نے "ہرات" میں صوفیانہ ذکر کی جگہ لے لی ہو جسے نقشبندی لوگوں نے باطل اور لغو کر دیا تھا۔

کتاب روضۃ الشہداء کی توصیف اور اس کی محتویات و مضامین پر ایک نگاہ ڈالنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ کاشفی اپنی کتاب کا آغاز مصیبت اور رنج و مشقت کی حکمت سے کرتا ہے۔ اور اسے آیۂ "ولنبلونکم" ۔(سورۂ بقرہ آیت ۱۵۵، سورۂ محمدؐ آیت ۳۱، سورۂ انبیاء آیت ۳۵) کی دلالت کے تحت ایک قسم کی آزمایش وامتحان خداوند متعال کی طرف سے جانتا ہے جو اسرار معرفت کو جاننے اور محبت کی طریقت کا لازمہ چیز جانتا ہے۔

ہر کہ در این بزم مقرب تر است　　جام بلا بیشتر می دہند

(جو بھی اس محفل میں زیادہ مقرب ہو اسے جام بلا زیادہ دیتے ہیں)

وآنکہ زدلبر نظر خاص یافت داغ عنابر جگرش می نہند

(اور جس کو معشوق کی نظر خاص ملی اس کے جگر پر رنج کا داغ ڈالتے ہیں)

آدمؑ سے لیکر خاتمؐ تک کے تمام پیغمبروں کے مصائب کا ذکر کرنے کے بعد اپنے صوفیانہ فکر کی اس طرح تائید کی ہے کہ :

پیغمبر اسلامؐ اپنے فرزند کے قتل اور مارے جانے کی آزمایش میں مبتلا ہوئے اور ایسے مضمون کی ایک حدیث بیان کرتا ہے :

"جو بھی حسینؑ پر روئے یا رونے کی صورت بنائے اسکے لئے بہشت واجب ہو جائے گی"۔(روضۃ الشہداء ص ۴'۶)

"من بکیٰ علی الحسینؑ او تباکیٰ وجبت له الجنة"۔

اور اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کیلئے جو اولین گواہ لے آتا ہے وہ "حلاج" کی کہاوت ہے جو خدا سے یہ دعا مانگتا تھا کہ اس کے دردو شکنجہ میں اضافہ کردے تاکہ اس کا عشق اور زیادہ ہو جائے۔ یہ نشاندہی کرلی ہے کہ کاشفی نے اپنے فلسفہ کو ایک صوفیانہ سر چشمہ سے لیا ہے۔

کاشفی نے حادثۂ عاشورا کی عارفانہ اور صوفیانہ اسلوب سے تفسیر کی ہے اور اس میں تحریفات اور تصرفات کرنے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ایک نوع کی داستان کو افسانہ کی صورت دیدی ہے۔ مرحوم شہید مطہریؒ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں : (حماسۂ حسینی اردو ترجمہ) ج ا۔ ۲ ص ۴۸)

صوفی مسلک کے شعراء حادثۂ کربلا کو عشق کی پیداوار سمجھتے ہیں اور اسی طرز فکر کی بنیاد پر توضیح و تفسیر کرتے ہیں۔ ان میں سے میرزا نوراللہ جو "تاج الشعراء" ملقب تھے اور "عمان سامانی" (۱۳۲۲۔۱۲۶۴ھ) کے نام سے مشہور ہوئے ان کا

ایک دیوان بنام "گنجینۃ الاسرار" ہے جو ہندوستان اور ایران میں چھپا ہے۔ (الذریعۃ ج ۱۸، ص ۲۴۵، ج ۹ ص ۷۶۹)

اس کا کہنا ہے کہ : حضرتؑ حق نے پہلی تجلی میں (کیونکہ عشق کی وجہ سے وہ تجلی میں ظاہر ہوا تھا) اعیان ثابتہ میں وجود بخشا، اس کے بعد سر چشمہ لاہوتی سے آفتاب عشق طلوع ہو کر جبروت میں اور جبروت سے ملکوت اور اس کے بعد ناسوت یعنی عالم اجسام (دنیا) تک پہنچا :

گوید او چون شاہدی صاحب جمال حسن خود بیند بہ سر حد کمال

(وہ کہتا ہے جب صاحب جمال اپنے حسن کو سر حد کمال پر دیکھتا ہے)

از برای خود نمایی صبح و شام سر بر آرد گہ ز روزن گہ ز بام

(خود نمائی اور دکھاوے کیلئے صبح و شام کبھی دریچہ سے اور کبھی چھت سے جھانکتا ہے)

باخدنگ غمزہ صید دل کند دید ہر جا طایری بسمل کند

(اپنے چشم و ابرو کے تیر سے دل کا شکار کرتا ہے جہاں کوئی پرندہ دیکھتا ہے اسے گھائل کرتا ہے)

لاجرم آن شاہد بالا و پست با کمال دلربائی در الست

(بے شک اس پستی و بلندی کے گواہ نے اپنی تمام تر دلربائی کے ساتھ روز الست میں)

جلوہ اش گرمی بازاری نداشت یوسف حسنش خریداری نداشت

(اسکی تجلی کا بازار گرم نہ تھا کیونکہ اسکے حسن کے یوسف کا کوئی خریدار نہیں تھا)

غمزہ اش را قابل تیری نبود لایق پیکانش نخجیری نبود

(اس کے چشم و ابرو کے مقابل کوئی تیر نہ تھا، اسکے سر نیزہ کے لائق کوئی

شکار نہ تھا)

وہ امانت جو خدا نے آسمان وزمین کے سامنے پیش کیا اور ہر ایک نے قبول کرنے سے انکار کیا وہ عشق الٰہی کی امانت تھی۔ اور اس بارِ امانت کو صرف انسان نے اپنے کاندھے پر اٹھایا۔

(وہ ایک پردہ جو درمیان میں حائل تھا ایک وقت آیا کہ وہ اٹھالیا گیا)

(ایک ساقی مثل آفتاب ایک ساغر کے ساتھ آیا' اور اس ساغر میں شراب عشق تھی)

(پس اسنے پنہان نہیں بر ملا ندادی کہ درود ہو اے بادہ خوار و درود ہو)

(اس شراب جیسی کوئی خوشگوار اور صاف نہیں ہے' اس شراب کو ترک کرنا انصاف نہ ہوگا)

(آفرین! اس شراب کا ہر کوئی متوالا ہے' خلقت میں ساری اشیاء اس سے پست ہیں)

عالم کے تمام ذرات عالی اور دانی سب نے اس مایۂ حیات سے کم وبیش نوش کیا لیکن شراب سے ساغر خالی نہیں ہوا۔ حضرت ساقی نے ندادیا: تو صرف انبیاء اور اولیاء نے دوبارہ اس کی ندا کو لبیک کہا۔

باز ساقی بر کشید از دل خروش گفت ای صافی دلان دُرد نوش

(پھر دوبارہ ساقی نے خروش دل سے آواز دے کر کہا کہ اے دل میں کھوٹ نہ رکھنے والو شراب خورو)

مرد خواہم ہمتی عالی کند ساغر ما را زمی خالی کند

(ہمیں وہ عالی ہمت مرد پسند ہے جو ہمارا ساغر مے سے خالی کردے)

انبیاء و اولیاء را نیاز شد بہ ساغر گردن خواہش دراز

(نیاز مند انبیاء اور اولیاء کو پھر ساغر کی ضرورت ہوئی اور دست خواہش دراز کیا)

لیکن ساغر پھر بھی شراب سے پر تھی۔ ساقی نے ایک بار پھر اسے پینے کی دعوت حریفوں کو دی۔

باز ساقی گفت تاچند انتظار   اے حریف لاابالی سر بر آر

(پھر ساقی نے کہا کہ اے حریف کب تک انتظار کریگا' اے بے باک آگے بڑھ)

اس دفعہ امام حسینؑ نے ساقی کی ندا کو لبیک کہا اور ساغر کی ساری شراب پی ڈالی۔

چوں بہ موقع ساقی اش درخواست کرد   پیر می خواران زجا قد راست کرد

(جب ساقی نے اس وقت پینے کی درخواست کی می خواروں پیر راست قدم اٹھا)

زینت افزائی بساط نشأتین   سرور و سر خیل مخموران حسینؑ

(دنیا و آخرت کی محفل کی زینت پانے والے متوالوں کے سردار حسینؑ)

گفت آن کس را کہ می جوی منم   بادہ خواری را کہ می گوی منم

(کہا جس کی آپ کو تلاش ہے وہ میں ہوں' جس بادہ خوار کی بات کر رہے ہیں وہ میں ہوں)

شرطهایش را یکایک گوش کرد   ساغری را تمامی نوش کرد

(اس کے ایک ایک شرط کو سن لیا اور ساغرے پورے کا پورا پی گیا)

باز گفت از این شراب خوشگوار   دیگرت گر ہست یک ساغر بیار

(پھر کہا اس لذیذ شراب سے بڑھ کر دوسری ہے تو ایک ساغر اور بھی لے آؤ)

پھر حضرت ابا عبداللہ الحسینؑ منیت اور نفسانیت سے بالکل پاک ہو گئے اور فنا و بقا کے مقام پر پہنچے اور خود لب تشنہ لوگوں کے ساقی بن گئے' یہاں تک کہ

حضرت امام حسینؑ خود فانی ہو جاتے ہیں اور اپنے حجاب کو بھی عشق الٰہی کی آگ میں جلا دیتے ہیں۔

ہر کہ بیرونی بُد از مجلس گریخت　　رشتۂ الفت ز ہمراہان گسیخت

(جو بھی باہر کا یعنی غیر تھا محفل سے بھاگ لیا' ساتھیوں سے الفت کا ناتا توڑ لیا)

دور شد از شکر ستانش مگس　　وز گلستان موادش خار و خس

(اس کے شکر خانے سے مکھیاں دور ہو گئیں اور اسکے مواد کے چمن سے خار و خس دور ہیں)

خلوت از اغیار شد پرداختہ　　وز رقیبان' خانہ خالی ساختہ

(محفل کو بے گانوں سے خالی کروالیا اور رقیبوں سے گھر کو خالی کر لیا)

پیر می خواران بہ صدر اندر نشست　　احتیاط خانہ کرد و در بست

(منجواروں کا پیر صدر نشین ہو گیا گھر کو استوار کر کے دورازہ بند کر دیا)

محرمان راز خود را خواند پیش　　جملہ را بنشاند پیرامون خویش

(اپنے رازداروں کو اپنے پاس بلایا اور سب کو اپنے گرد بٹھایا)

جملہ را کرد از شراب عشق مست　　یاد شان آورد آن عہد الست

(سب کو شراب عشق سے مست کر دیا اور انھیں روز الست کا وعدہ یاد دلایا)

وادی طریقت کو طے کرنے اور جادۂ حقیقت سے گزرنے کیلئے ہمت مردانہ درکار ہے۔ وہ لبادہ ہر کسی کی قابلیت کے بدن پر مناسب نہیں ہے۔ اور یہاں پر حضرت عباس علیہ السلام کے کمالِ ہمت اور اس برگزیدہ شخصیت کی انتہائی لیاقت پر اہل عرفان کہتے ہیں :

طالبان راہ حق را بُد دلیل　　رہنمای جملہ بر شاہ جلیل

(راہ حق کے طلبگاروں کیلئے دلیل تھے' شاہ جلیل کی طرف سے سب کو

ہدایت کرنے والے تھے)

بُدبہ عشاق حسینی پیشرو　　　پاک خاطر آی وپاک اندیش رو

(عاشقان حسینؑ کے سالار، ہمیشہ اور آئندہ پاک دل اور پاکیزہ فکر چہرہ)

می گرفتی از شط توحید آب　　　تشنگان رامی رساندی باشتاب

(آپ نے دریائے توحید سے پانی لیا، تشنہ لبوں تک فوراً پہنچایا۔)

عاشقان رابود آب کارازو　　　رہروان رارونق بازارازو

(عاشقان (الٰہی) کیلئے شراب فروش دہ تھے، راہ حق پر چلنے والے مستوں کے بازار کی رونق ان سے تھی)

روز عاشورابہ چشم پرزخون　　　مشک بردوش آمد از شط چون برون

(روز عاشور خون سے پُر آنکھوں کے ساتھ، مشک کو کاندھے پر لئے جب دریا سے باہر آئے)

شدبہ سوی تشنہ کامان رہ سپر　　　تیر باران بلار اشد سپر

(تشنہ لبوں کی طرف روانہ ہوئے، بلا کے تیروں کی بارش کے آگے سپر بن گئے)

بر زمین آب تعلق پاک ریخت　　　وز تعین بر سر آن خاک ریخت

(دریا سے دل بستگی سے دور رہے، اپنے مقام بزرگ سے اس پر خاک ڈال دیا)

ہستیش رادست از مستی فشاند　　　جز حسینؑ اندر میان چیزی نماند

(اپنی ذات کو مستی عشق میں نثار کر دیا، حسینؑ کے علاوہ ان کے اندر کچھ بھی نہ رہا)

اس نظریہ میں سادہ اور عوامی جذبات، معاشرتی، تاریخی اور فقہی بحث و گفتگو کا نام و نشان نہیں ہے۔ عاشورا کی شرح عشق کی زبان میں ہے۔ اس نظریہ میں حضرت علی اکبر علیہ السلام پیاسے ہیں لیکن پانی کی پیاس نہیں ہے بلکہ عشق الٰہی

کے پیاسے ہیں۔وہ بھی عاشقوں کے سالار کے ہاتھوں۔

حضرت لباعبداللہ الحسینؑ علی اکبرؑ کی پانی طلبی کے جواب میں پیغمبرؐ کی انگوٹھی ان کی زبان پر رکھ دیتے ہیں۔ لیکن یہ انگوٹھی ان کی زبان پر مہر لگاتی ہے تاکہ اہل دل کے اسرار فاش نہ ہو سکیں۔اس منطق میں بھی حضرت زینب سلام اللہ علیہابے ہوش ہو کر زمین پر گر جاتی ہیں لیکن یہ بے ہوشی حضرت حق کے جلوہ نور کی شدت سے تھا جس نے آئینہ حق کے پرتو سے درخشانی لی۔

آفتابی کرد در زینب ظہور ذرہ ای زان آتش وادی طور

(زینبؑ کے دل میں ایک آفتاب ظاہر ہوا جو اس وادی طور کی آگ کا ایک ذرّہ تھا)

ای فلک امشب شب عاشور ماست خواب مکن گر بہ دلت شور ماست

(اے فلک آج کی رات ہماری شب عاشور ہے' سونا نہیں اگر تیرے دلمیں میری محبت ہے)

شب نہ کہ آرایش روز الست ساقی محفل زمی عشق مست

(نویں شب وہ ہے کہ جب روز الست سجائی گئی' محفل کا ساقی عشق کی شراب میں مدہوش تھا)

شب نہ کہ معراجگہ مصطفیؐ لیلۃ اسرار سپاہ وفا

(نویں شب جو کہ مصطفیوں کی معراج کا مقام ہے' وفا کے لشکر کی شب اسریٰ ہے)

شب نہ کہ در دہر بہین روز عشق روز ازراز ابد سوز عشق

(نویں شب زمانے میں عشق کا بہترین دن ہے' ازل سے لیکر اب تک عشق کی آگ میں جلنا)

شب نہ کہ آرایش صبح وصال معرکہ عشق سپاہ جلال

(نویں کی شب وصال کے صبح وصال کی آرائش کا موقع ہے' اللہ کے لشکر کے عشق کے معرکہ کا ہے)

شب نہ کہ آشوب دوعالم دراو　　جلوہ گہ آدمؑ وخاتمؐ دراو

(نویں کی شب میں دونوں جہاں کا ہنگامہ' اس میں آدمؑ اور خاتمؐ کے جلوے ہیں)

زمرہ ای ازبادۂ ابلیس مست　　جمعی از آن ساغر سرالست

(ایک گروہ ابلیس کی شراب میں مست تھا' ایک جماعت روز الست کے اس ساغر میں مست تھا)

کہتے ہیں : مگر امام حسینؑ نہیں جانتے تھے کہ کربلا میں قتل کر دیئے جائیں گے پھر کیوں گئے اور جب دیکھا دشمن کے اس کثیر لشکر کے گھیرے میں تنہا ہیں تو دشمن سے صلح کیوں نہ کر لیا؟ لیکن اسوقت عقل نے صلح کا فتویٰ نہیں دیا۔ یہ سارے "کیوں" اور "کس لئے" کے سوالات عشق کی لغت نکل جاتے ہیں اور جس وقت عاشق کے دلیں عشق کی آگ بھڑک اٹھتی ہے عقل عاجز ہو جاتی ہے۔ بجز معشوق اس کی نظر میں کوئی نہیں رہ جاتا اور ساری عجلت اپنے معشوق سے وصال کی ہوتی ہے اپنے معشوق کے نور میں محو ہونا ہی عاشق کیلئے وصال ہے اور بس۔

(پیش گفتار "دیوان حلاج" ص ۷۱' چاپ سنائی)

صوفیا نگاہ میں امام حسینؑ کی شہادت "حلاج" کا تختۂ دار پر جانے کے مانند ہے اور اس فکر کے مطابق مردان خدا مارے جانے پر اللہ کے دیدار کی طرف جاتے ہیں اور ہدف کو پہنچ جاتے ہیں' پس یہ سرور' شادی اور وجد کا موقع ہے نہ کہ صدمہ اور گریہ کا ان کی فکر سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے

کہ مردان خدا نے عظیم خدمت' کی قفس حیات کو توڑ کر اپنی روح کے پرندے کو عالم ملکوت کی طرف اڑادیا۔ ان سوچ کے ساتھ مولانا رومی نے روز عاشورا کو خوشی' ہنسی اور قاتلان امامؑ کو ناجی اور نمو یافتہ جانا ہے کیونکہ وہ لوگ باعث بنے کہ امامؑ کی روح کو قید تن سے رہائی ملی اور مقام شاہنشاہی کو پہنچے ہیں۔ ذیل کی ابیات مثنوی مذمت کرتی ہیں' شیعوں کے طرز قیام عزائے سید الشہداء پر

اس صوفیانہ طرز خیال اور سوچ کے مطابق شہادت امام حسینؑ اپنی تمام تر عظمت و جلالت کے باوجود ہست و نیست اور معنی سے خالی ہے اور ساتھ ہی امام حسینؑ کے قاتل جلاد بَری ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بھی اپنے ارادہ اور فیصلہ سے نہیں بلکہ مشیت الٰہی کے تحت روزِ الست سے ان کا اس کام کیلئے انتخاب ہوا تھا اور ارادۂ الٰہی کے آلۂ کار بنے ہیں۔ اور تحریک عاشورا بھی پیغام سے خالی ہو جاتا ہے اور تمام یزیدی جابر ہمیشہ کیلئے عاشورا کے خطرہ اور ذکر امام حسینؑ کے خوف و خطرہ سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور ظلم و جور کی طاقتوں کے ساتھ مقابلہ میں شہادت کا پہلو اپنی سمت سے ہٹ کر ہیچ و نیست کی طرف منحرف ہو جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حادثہ کی زبان دل کی زبان ہے اور عرفان کا اس کی شناخت میں ایک کلیدی حیثیت اور قیام حسینیؑ کے سب سے زیادہ بنیادی پہلوؤں میں سے ایک پہلو یہی راہ حق میں پاکبازی ہے۔ لیکن توجہ دینا چاہئے کہ عرفان کی اساس کتاب و سنت رسولؐ اور ائمہ اطہارؑ ہیں' نہ کہ عرفان مسیحی و بودھوی اور نہ ہندوی وغیرہ ہے ..... جیسے عرفان التقاطی کی اصطلاح میں عمان سامانی یا صفی علیشاہ کے اور ان جیسے لوگوں کے صوفیانہ اور عارفانہ اسرار میں لگ جانا اور اس کے دوسرے پہلوؤں کو نادیدہ سمجھنا اس واقعہ کے اصل چہرہ پر آسیب

کا طمانچہ مارنا ہے اور صرف اہل عرفان اور متصوفہ کا مختص بن کر رہ جانا ہے' جبکہ امام حسینؑ کی تحریک سب کیلئے آئیڈیل اور باعث ہدایت ہے۔

۵۔ فقہی روش

حادثۂ عاشورا کے ابعاد میں سے ایک اس کا شرعی پہلو یا حکم شرع پر عمل کرنا ہے۔ بے شک امام حسینؑ ان حالات میں یزید کی بیعت کو حرام اور امر بہ معروف اور نہی از منکر کو واجب جانتے تھے اور یزید کے مقابلے میں سکوت کو اسلام کی نابودی بیان کرتے تھے۔ اگر اسلامی حکومت کی تشکیل کیلئے کوشش اور ظلم و تعدی کرنے والوں کے خلاف جہاد کے وجوب کا بھی ان ذمہ داریوں اور فرائض میں اضافہ کرلیں تو اس تحریک کی فقہی ابعاد کے پھیلاؤ میں اضافہ ہو جائے گا۔ حادثہ کو مذکورہ پہلو سے زیر غور لانا فقہی طریقہ کار ہے' یہ امامؑ کے ذمہ ہے۔

اگر ہم تحریک عاشورا کو فقہی روش کے مقابل تولنا چاہیں تو بہت سے سوالات بغیر جواب کے رہ جائیں گے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ امامؑ نے اموی حکومت کا تختہ الٹنے اور اسلامی حکومت کی تشکیل کیلئے مسلح قیام کیا اور ان کی شکست پہلے ہی دن سے قابل پیش بینی تھی اور ظاہر حالات بھی یہی نشاندہی کر رہے تھے۔ جیسا کہ امامؑ کے مہربان اور ہمدرد رشتہ دار: ''محمد حنفیہ'' امامؑ کے بھائی اور ''عبداللہ بن جعفر'' زینب کبریٰؑ کے شوہر اور ''عبداللہ بن عباس'' وغیرہ ان کو خروج سے منع کرتے رہے اور انہیں مدینہ میں رہنے کیلئے کہتے تھے۔

کیوں امامؑ نے ان خیر خواہ ناصحین کی بات پر کان نہ دھرا؟

کیسے ہوا کہ امامؑ نے ان بزرگ اور سرداروں کی رائے اور نظریہ کو جو انہیں عراق جانے سے منع کر رہے تھے اور صراحت کے ساتھ ان کے مارے جانے کو بیان کر رہے تھے' توجہ نہیں دی۔ اور اپنی رائے کو جس کا انجام شہادت تھی ترجیح

دیا؟اور کیوں اس پُر خطر سفر میں اپنے اہل بیتؑ کو ہمراہ لے گئے ؟

اس سفر کے خطرہ کو سب پہلے سے دیکھ کر رہے تھے یعنی یہ ایک غیر پیش بینی بات نہیں تھی یہاں تک کہ عام آدمی کیلئے بھی۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ آپؑ حرکت کریں وہ تمام لوگ جو آئے ہوئے تھے اور مصلحت پر غور کیا تو آپؑ کا اہل بیتؑ کو ساتھ لے جانا مصلحت کے خلاف عمل جانتے تھے۔ یعنی وہ لوگ اپنے حساب و منطق سے جو عام سطح کی تھی اور امامؑ اور انکے خاندان کی جان کی حفاظت کے مقیاس و معیار پر سب کی اتفاق رائے یہی تھی کہ خود آپؑ کا جانا خطرہ سے خالی نہیں ہے اور مصلحت نہیں یعنی خود آپؑ کی اپنی جان خطرہ میں ہے چہ جائیکہ آپؑ اپنے اہل بیتؑ کو بھی اپنے ہمراہ لے جارہے ہیں اور سچ ہی کہتے تھے۔ خود امامؑ نے روز عاشور اجب حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو فرمایا :"لله درّابن عباس ینظر من ستر رقیق" ۔ "مرحبا ابن عباس پر جو واقعات کو باریک پردہ کے پشت سے دیکھ رہے تھے۔ آج کے تمام حالات اور اہل کوفہ کی اور میرے اہل بیتؑ کے بارے میں مدینہ میں مجھ سے کہا تھا"۔

امام علیہ السلام ان لوگوں کو ایسے جواب دیتے تھے کہ دوبارہ اس بارے میں کوئی بات نہیں کر سکے۔ ان میں سے ایک کو جواب میں فرمایا :

"لایخفی علی الامر"۔ "جس بات کو تم کہتے ہو وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے اور میں خود بھی جانتا ہوں"۔

اگر ہم امامؑ کے عمل کو "جہاد" کا مصداق جان لیں تو پھر بھی اس صورت میں اشکال کا سامنا ہوگا کیونکہ خالی ہاتھوں تیر و تیغ اور نیزہ کے سامنے جانا شرعاً واجب نہیں ہے۔ بلکہ شرعی لحاظ سے اشکال بھی رکھتا ہے۔ انسان مسئول اور لائق مواخذہ ہو جاتا ہے حق تعالیٰ کے فرمان کے مطابق :"ولا تلقوا بایدیکم الی

التھلکہ "۔ "یعنی خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو"۔

ایسا جہاد جس کا انجام شکست اور حتمی موت ہو' خود کشی ہے۔ کفر اور ظلم کے مفاد میں ہے اور کوئی فائدہ نہیں رکھتا ہے۔ اور وہ نظریہ جو یہ کہتا ہے : امامؑ نے اموی حکومت کو الٹنے کیلئے اور زمام حکومت اور امامت کو ہاتھ میں لینے کیلئے رسمی طور پر قیام کیا تھا' لیکن لوگوں کی دغابازی اور دشمن کے مکر و فریب اور کوتاہی کوفہ اور قلت اصحاب کی وجہ سے شکست کھا گئے۔ یعنی دشمن پر غلبہ کیلئے قیام کیا تھا نہ کہ مارے جانے کیلئے۔ اپنی منطق کو ثابت کرنے اور مد مقابل کے نظریہ کی تردید میں کہتے ہیں : اگر امامؑ واقعی مدینہ سے اس لئے باہر آئے تھے تاکہ مارے جائیں' اس صورت میں یہ اشکال ان پر آتا ہے کہ پھر یہ قیام ایک بے ثمر قیام تھا اور امامؑ نے اپنا خون ضائع کیا ہے۔ اس سے بہتر یہ تھا کہ امام مسجد میں بیٹھ جاتے اور کم از کم احادیث پیغمبرؐ کو بیان کرتے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کی دوسرے ائمہؑ کے بر خلاف بہت کم احادیث ہم تک پہنچی ہیں' اسکی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے خود کو قاتلین کے حوالہ کر دیا۔ اور اگر زندہ رہتے تو کم از کم اس زمینہ میں کچھ خدمت کر سکتے تھے' لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اور اگر امامؑ کے عمل کو امر بہ معروف اور نہی از منکر کے باب میں جانچیں' تو پھر بھی اشکال پیش آتا ہے کیونکہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کے واجب ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ نہی از منکر سے کوئی فساد کھڑا نہ ہو جائے۔ پس جس وقت یہ گمان ہو کہ اس منع اور انکار سے کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچے گا یا کسی ایک مسلمان کو نقصان پہنچے گا تو وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ اس معنی سے مذکورہ شرط نے امر بہ معروف اور نہی از منکر کی حدود کا تعین کر دیا ہے۔

لیکن عمل امامؑ یہ نشاندہی کرتا ہے کہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کی قدر و

منزلت ان سب سے بالاتر ہے۔ امامؑ انسان کے جان ومال اور حیثیت سے زیادہ اس کی اہمیت کے قائل ہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے اپنے حیرت انگیز عمل سے دنیا والوں کو دکھادیا تھا کہ انسان امر بہ معروف اور نہی از منکر کی راہ میں اس مقام تک پہنچتا ہے کہ اپنے مال جان اور آبرو بھی اس پر نثار کر دینا چاہئے اور لوگوں کی چہ میگوئیوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کرے جس طرح امام حسینؑ نے کیا۔ امامؑ کے زمانے کے علماء اور فقہاء میں سے کسی ایک نے بھی ان کے خونین تحریک کی تائید نہیں کی۔ البتہ جس سطح پر وہ لوگ سوچ رہے تھے درست ہی سوچ رہے تھے۔ لیکن جس سطح پر امام سوچ رہے تھے وہ مسئلہ ان لوگوں کے کسب سے ماورا تھا۔ وہ لوگ صرف اس حد تک سوچتے تھے کہ اگر یہ سفر حصول حکومت کیلئے ہے تو اس کا مستقبل اچھا نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے انہی سوالات سے اپنے آپ کو مطمئن کر لیا کہ امام حسینؑ کا کام خود اُن سے مخصوص ہے اور انہوں نے ہر حالت میں اپنے وظیفہ پر عمل کیا ہے اور ''قضیہ فی واقعہ'' کی اصطلاح ہے اور بحث وگفتگو کے قابل نہیں ہے اور اسلام کے احکامات کلی اور عمومی سے کوئی ربط نہیں رکھتا ہے۔ اور اس عصر کے علماء اور فقہاء کے ذہن بھی امامؑ کے عمل کو درک نہیں کر سکے تھے' امامؑ کی منطق ان کے فہم میں نہیں آئی۔ اور وہ لوگ عموماً امامؑ کی حرکت کو' ان حالات میں خصوصاً اہل بیتؑ کو ہمراہ لیکر' جائز نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ امامؑ جس چیز کو دیکھ رہے ہیں دوسرے نہیں دیکھ سکتے۔ وہی مشہور کہاوت : جس چیز کو دوسرے افراد آئینہ میں نہیں دیکھ پاتے وہ خشت خام میں دیکھ لیتا ہے' اپنے کام کے اثر کو طول تاریخ میں دیکھتا ہے۔ ان کی منطق اس وقت کے علماء اور فقہاء کی منطق سے مافوق تھی۔ (ابن عباس' ابن حنفیہ' عبداللہ بن جعفر اور ابن عمر اور بہت سے دوسرے لوگ کمالِ خلوص نیت کے ساتھ امامؑ کو کربلا جانے سے منع

کررہے تھے۔ تمام صاحبان عقل ودین، عرفان وشرع کے ناصحین اور عوام سب کے سب ہم آواز امامؑ کی حرکت کے مخالف تھے۔ وہ لوگ اپنی منطق اور اپنی حد تک، حق رکھتے تھے لیکن جو چیز امامؑ دیکھ رہے تھے وہ نہیں دیکھ رہے تھے۔ نہ ہی وہ لوگ امامؑ کے اندازہ سے خطرہ کو محسوس کرسکتے تھے اور نہ ہی یہ سمجھ سکتے تھے کہ ایسے قیام میں آئندہ کتنے عظیم آثار ہیں۔ لیکن واضح طور پر دیکھ رہے تھے اور انہوں نے اپنے خواب کے استناد جو بے شک وحی قاطع کا حکم رکھتا ہے، فرمایا :

میں نے اپنے جدؐ کو خواب مین دیکھا جنہوں نے مجھ سے فرمایا :

"ان الله شاء ان يراك قتيلا"۔

(بحارج ۴۴، ص ۳۶۲، مقتل الحسینؑ مقرم ص ۱۹۵)

سوال ہوا : پھر اگر ایسا ہے تو اہل بیتؑ اور بچوں کو کیوں اپنے ہمراہ لے جارہے ہیں ؟ فرمایا : اس کے بارے میں بھی میرے جد نے فرمایا کہ :

"ان الله شاء ان يراهن سبايا"۔

"خداوند تمہیں شہید اور تمہارے خانوادہ کو اسیر دیکھنا چاہتا ہے"۔

(بحارج ۴۴، ص ۳۶۲، مقتل الحسینؑ مقرم ص ۱۹۵)

لفظ مشیت الٰہی یا ارادۂ الٰہی دو جگہوں پر استعمال ہوتا ہے، ایک کو اصطلاح میں ارادۂ تکوینی اور دوسرے کو ارادۂ تشریعی کہتے ہیں۔

ارادۂ تکوینی کا مطلب قضاء وقدر الٰہی ہے اور اگر کسی چیز کا تعلق قضاوقدر الٰہی سے حتمی ہوجائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ قضاوقدر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے اور اس جگہ مشیت الٰہی سے مراد یہ نہیں۔

ارادۂ تشریعی کا معنی یہ ہے کہ خداوند اس طرح راضی ہے۔ یعنی خدای متعال کی رضا اور خوشی اسی میں ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ تم شہید ہوجاؤ۔ میرے جدؐ نے مجھ

سے فرمایا ہے کہ خدا کی رضا و خوشی تمھاری شہادت میں ہے۔ میرے نانا نے مجھ سے فرمایا ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ یہ لوگ اسیر ہوں یعنی انکی اسارت رضائے الٰہی ہے۔(حماسۂ حسینیؑ: ج ۱،ص ۲۱۷)

اس وقت کے علماء اور بزرگ سب کا ایک ہی عقیدہ تھا لیکن امام حسینؑ ایک عالی سطح پر کچھ اور عقیدہ رکھتے تھے۔ سب کا فیصلہ ایک ہی تھا لیکن امامؑ کی نظر ان سے مختلف تھی۔ پتہ چلتا ہے کہ امامؑ کا کام ایک سوچا سمجھا ہوا کام، ایک رسالت اور ایک مأموریت ہے۔

فقہی طرز بیان ان متعدد پہلوؤں میں سے صرف ایک پہلو کی چون وچرا پر گفتگو کر سکتا ہے اور صرف چند مسائل کی حد سے تجاوز نہیں کرتا اور اس سے فراتر نہیں ہو سکتا۔ بے شک ایسی عظمت کا حادثہ اس وقت کے فقہی نقطۂ نگاہ کے حدود میں نہیں سما سکا۔ اس معنی میں کہ جیسے حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کی حیرت انگیز کہانی اور وہ عجیب کام جو حضرت خضرؑ نے انجام دیا۔ جن کے باطنی رمز و رموز خود حضرت موسیٰؑ سے پوشیدہ تھے اور فقہ و قانون کی میزان پر پورے نہیں اُترتے تھے۔(سورۂ کہف : ۶۳ اور اسکے بعد)

حادثۂ کربلا کو بھی موازین فقہی کے حصار میں جگہ نہیں دے سکتے ؂۱۔

حادثہ کربلا کے عمیق پہلوؤں میں سے ایک اس کا اخلاقی پہلو ہے۔ جب ہم اس زاویہ سے حادثہ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ اخلاق اسلامی کی ایک نمائش گاہ ہے۔ اس حادثہ میں اخلاقی عناصر میں سے ایک وفا اور ایثار کا عنصر موجود ہے۔ بنیادی طور پر حادثۂ کربلا وفا و ایثار کی نمائش گاہ ہے۔ آیا وفا و ایثار کا حادثۂ کربلا

؂۱۔ امام حسنؑ نے بھی ایک شخص کو جو صلح کی علت نہیں سمجھا تھا اور آپؑ پر اعتراض کیا تو فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت خضرؑ نے کشتی میں شگاف کر دیا اور ایک لڑکے کو مار ڈالا تو حضرت موسیٰؑ علت نہ جانتے ہوئے ناخوش رہے جب تک کہ حضرت خضرؑ نے ظاہر نہ کر دی......(علل الشرائع،ص ۸۱)

سے بہتر کوئی تجسم مل سکتا ہے؟ ایثار جو کہ روح انسان کی محبت اور ہمدردی کی نہایت مُدّ شکوہ تجلیوں میں سے ہے مکتب اہل بیت علیہم السلام میں بہت قوی ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ سورۂ "ھل اتی" اہل بیت علیہم السلام کی ایثار کی قدرو منزلت بتانے کیلئے نازل ہوئی جو اس خاندان کی فضیلت کیلئے ایک عظیم سند ہے۔ اس میں فرماتا ہے:

"اویطمعون الطعام علیٰ حبه مسکیناً ویتیماً واسیراً انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاءً ولا شکوراً"۔

"اپنی غذا جس کی خود انہیں حاجت ہے' وہ مسکین' یتیم اور اسیر کو دیدیتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں خدا کی راہ میں کھانا کھلا رہے ہیں اور تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ کے خواستگار نہیں"۔

جو کام خاندان وحی نے یہاں انجام دیا' وہ انکے فقہی اور شرعی فریضہ سے بالاتر تھا۔ انہوں نے ایثار کیا اور تین دن تک خود اور انکے بچے بھوکے رہے' اور اپنے کھانے کو خدا کی راہ میں فقیر اور یتیم اور اسیر کو دیدیا' اور یہ ایک شرعی فریضہ نہیں تھا بلکہ انہوں نے اپنے اخلاقی اور انسانی فریضہ کے تحت جو فقہی فریضہ سے بالاتر تھا عمل کیا۔ حادثۂ کربلا میں بھی امامؑ کی فقہی اور شرعی ذمہ داری یہی تھی جس پر فقہاء اصرار کر رہے تھے لیکن امام علیہ السلام کا کام اس سے بالاتر تھا انہوں نے اپنے اخلاقی اور انسانی فریضہ پر عمل کیا۔

اس انسانی اور اسلامی محبت کے ایثار کی بہترین جلوگاہ حادثۂ کربلا ہے۔ اور تجسمِ ایثار کیلئے حضرت عباس علیہ السلام کی داستان سے بہترین کوئی نہیں مل سکتا' انہوں نے فرات پر مأمور چار ہزار سپاہیوں کو دور کرنے کے بعد اپنا گھوڑا نہر فرات میں اُتار دیا یہاں تک کہ پانی گھوڑے کا پیٹ چھو رہا تھا' اپنی مشک میں پانی

بھرا اور چونکہ خود بہت پیاسے تھے' پانی چلو میں لیا اور منہ تک لائے کہ پئیں۔ دشمن دور سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے صرف یہی کہا: ہم نے دیکھا کہ پانی نہیں پیا بلکہ چلو الٹ دیا۔ تاریخ لکھتی ہے "فذکر عطش الحسینؑ"۔ اپنے بھائی حسینؑ کی پیاس یاد آئی اور کہا: مناسب نہیں کہ حسینؑ خیمہ میں پیاسے ہوں اور میں پانی پی لوں۔

آب شرمندۂ ایثار علمدار تو شد کہ چرا تشنہ از اواین ہمہ بی تاب گذشت

(پانی آپ کے علمدارؑ کے ایثار پر شرمندہ ہوا کہ کیوں اس کے پاس سے پیاسے گزر گئے)

اپنے نفس سے خطاب کیا:

یا نفس من بعدالحسینؑ ھونی فبعدہ لا کنت ان تکونی

(اے نفس میں نہیں چاہتا ہوں کہ حسینؑ کے بعد تو زندہ رہ)

(کیا تم پانی پینا چاہتے اور زندہ رہنا چاہتے ہو؟ درآنحالیکہ حسینؑ خیمہ میں پیاسے ہیں)

یہاں پر حضرت عباسؑ کا شرعی اور فقہی فریضہ یہ تھا کہ جیسے ہی فرات کے کنارے اکیلے پہنچے' پانی پی لیتے اور تازہ دم ہو جاتے اور زندہ رہتے۔ لیکن حضرت عباسؑ نے اپنے اخلاقی فرض پر عمل کیا اور شدید پیاسے ہونے کے باوجود پانی نہیں پیا اور لب تشنہ کنار دریا سے باہر آگئے۔ اور اس طرح حضرت عباسؑ "جہاد اکبر" یعنی "جہاد بانفس" میں بھی فتحمند ہوئے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"رحم اللہ عمی العباس لقد آثر و ابلی بلاء حسنا"۔

"خدا میرے چچا عباسؑ پر رحمت کرے خوب انوکھا امتحان دیا۔ ایثار کیا اور

آزمائش پر آخر حد تک پورے اترے۔ میرے چچا عباسؑ کے لئے خدا کے
پاس ایسا مقام ہے جس کے شہداء آرزو مند ہونگے"۔

(ابصار العین، ص ۲۶)

یا یہ کہ ہم پڑھتے ہیں کہ جب امام علیہ السلام نماز میں مصروف تھے۔ ان کے اصحاب میں سے ایک صحابیؓ نے اپنے آپ کو امامؑ کا سپر بنایا اور انہوں نے اپنے بدن پر اس قدر تیر کھائے کہ کھڑے نہ رہ سکے اور زمین پر گر پڑے۔ آخری لمحات میں امامؑ ان کے سرہانے پہنچے تو وہ ابھی شک میں تھے کہ آیا اپنا فرض پورا کیا ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا "اوفیت یا اباعبداللہ؟"۔ یا ابا عبداللہ آیا میں نے وفا کیا یا نہیں؟"۔

نہضت عاشورا کی شناخت کیلئے کار آمد ترین طریقہ

نہضت عاشورا کی شناخت کیلئے مذکورہ طریقے کافی نہیں ہیں۔

تحریف شناسیٔ عاشورا کیلئے سب سے زیادہ جامع اور کار آمد طریقہ امام شناسی کا اسلوب ہے۔ تحریک عاشورا کی پہچان کیلئے مختلف پہلوؤں اور حقائق اور بہت سے دوسرے مسائل کا احاطہ اور اُن پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ موضوع کو صحیح طور پر سمجھنے اور تحقیق کیلئے مؤثر ہے۔ اور اس حادثہ سے متعلق جو کچھ شان امامت سے موافق نہ ہو وہ تحریف شدہ ہے اور وہ اسناد و مدارک جو شئون امامت سے ہم آہنگ ہو وہی عاشورا کا حقیقی واقعہ ہے۔

ہمارا مدعا یہ ہے کہ امام شناسی کا طریقہ حادثۂ عاشورا کی تحریف شناسی کیلئے سب سے زیادہ کار آمد رمعیار ہے۔ ظاہر ہے کہ اس واقعہ کو تاریخ کی ایک سادہ کہانی شمار کر کے اس کے بارے میں اظہار رائے نہیں کر سکتے ہیں۔ اس مدعا کو ثابت کرنے اور اس طریقہ کے اصول و مبانی پر روشنی ڈالنے کیلئے پہلے چند مقدمات کا ذکر ضروری ہے :

۱۔ جیسا کہ لطف و عنایت الٰہی کی راہ میں ضروری ہے کہ لوگ منتخب ہوں تاکہ انسانی فرائض کو وحی کے راستہ سے لے کر لوگوں تک پہنچائیں اور اسی طرح رب العالمین کے طریقۂ لطف کا تقاضا ہے کہ رحلت رسولؐ کے بعد اس مشن کو آگے بڑھانے کیلئے لوگوں کیلئے معصوم جانشین مقرر کرے تاکہ انسانی معاشرہ کو کمال و سعادت کی راہ طے کرنے میں مدد دے۔

پس شیعی نقطۂ نظر سے امامت لوگوں پر ریاست و حکومت اور مرجعیت دینی سے بالاتر کوئی چیز ہے بلکہ انبیاءؑ کے تمام فرائض کی طرح سوائے (وحی) کے

اماموں کیلئے بھی یہی فرائض ثابت ہیں اور اسی دلیل کے تحت جس طرح انبیاء میں عصمت شرط ہے امام میں بھی یہ شرط موجود ہے۔

(پیام قرآن، مکارم ج ۹ ص ۲۰)

اسی رو سے شیعی نگاہ سے "امامت" کی اس طرح تعریف ہوئی ہے :

"ھی منصبٌ الٰھی جائزٌ لجمیع الشؤون الکریمه و الفضائل الا النبوة ومایلازم تلك المرتبة السامية"۔

"امامت ایک الٰہی منصب ہے جس میں انبیاءؑ کے تمام اعلیٰ شئون و متعلقہ فضائل سوائے نبوت کے اس میں موجود ہوں"۔

(احقاق الحق، ج ۲، ص ۲۰۰ پاورقی)

(شیخ مفید علیہ الرحمہ ۳۳۶۔ ۴۱۳ھ) کہتے ہیں :

"وہ ائمہ جو پیغمبروں کے جانشین ہیں، احکام کے جاری کرنے اور حدود کے قائم کرنے، شریعت کی حفاظت اور لوگوں کی تربیت میں سارے پیغمبروں کی طرح معصوم ہوتے ہیں"۔ (اوائل المقالات ص ۷۴)

شیعہ مذہب میں امامت ایک الٰہی منصب و بخشش ہے جو صرف خدا کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔ اور پیغمبروں کے تمام فضائل اور امتیازات (سوائے نبوت) کے حامل ہیں۔ اور امام کے کام کا انحصار حکومت اور دینی مرجعیت پر نہیں ہے بلکہ دین و دنیا کی ہر طرح کی ہدایت کے وہ عہدیدار ہیں۔

بہت سی آیات روایات سے ایک نتیجہ نکلتا ہے کہ امام میں ظاہری ارشاد و ہدایت کے علاوہ ایک اور قسم کی ہدایت اور معنوی و روحانی جذبہ ہے، جس کی اصل عالم امر و ملکوت میں ہوتی ہے اور اپنی ذات کے باطن اور حقیقت اور نورانیت کے ذریعہ شائستہ لوگوں کے دلوں پر تاثیر اور تصرف ہوتا ہے۔ اور انہیں کمال مرتبہ

اور انتہائے جدت کی طرف کھینچتا ہے۔

(علامہ طباطبائی' شیعہ در اسلام ص ۱۲۴)

معنوی اور روحانی امامت کا مسئلہ خود اماموں کی طرف سے بیان ہوا ہے۔ اور شیعوں کے ذہنوں میں یہ بات رسوخ کر چکی ہے۔ اور اصول مذہب شیعہ میں شمار ہوتا ہے اس طرح کہ ہر شیعہ ایسی امامت اور ولایت کا اقرار کرتا ہے یعنی اسکا عقیدہ ہے کہ امام ایسے روح کلی کا مالک ہے اور پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ علیہم السلام کو دور اور نزدیک سے زیارات میں خطاب کی مانند سلام کرتے ہیں۔ اور اس طرح خطاب کر کے سلام کرنے کی شرط کسی کا حاضر اور سامنے ہونا ہے اور اسی طرح توسل و استغاثہ کے موقع پر بھی خطاب کی مثل ان سے بات کرتے ہیں۔ اور پھر شیعہ ان الفاظ کو ایک مردہ امام کیلئے استعمال کرتے ہیں (البتہ اس کی نظر میں امام کے زندہ یا مردہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے)۔

(کلم الطیب' ص ۶۵۴ و امامت و رہبری' ص ۵۶)

البتہ امام کی معنوی ولایت کا ان کے انسان کامل ہونے کی وجہ سے ہے کہ وہ اسماء و صفات خدا کا مظہر ہے۔ کیونکہ امام انسانیت کی الٰہی بُعد کا سب سے زیادہ مکمل اور اعلیٰ مظہر ہے۔ رسولؐ خدا حضرت علی علیہ السلام کے بُعدِ الٰہی اور کمال انسانی کے بارے میں جب کہ وہ ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے' ان سے فرمایا:

"انك تسمع مااسمع وترىٰ مااُرىٰ الا انك لست بنبیٍّ ولكنك وزير"۔

"یعنی جو کچھ میں سنتا ہوں آپ بھی سنتے ہیں اور جو کچھ میں دیکھتا ہوں آپ بھی دیکھتے (یعنی جبرئیلؑ) کی آواز کو وحی ادا کرتے وقت سنتے ہو اور میری طرح ان کو دیکھتے ہو مگر یہ کہ آپ پیغمبر نہیں بلکہ میرے وزیر اور مددگار ہیں"۔ (نہج البلاغہ' فیض الاسلام' خ قاصعہ ۲۳۴' ص ۸۱۲)

اور یہ اوج کمال انسانی اور قرب الٰہی سے اتصال کا سب سے بلند مرتبہ ہے۔ اسی وجہ سے سارے ائمہ نور واحد سے ہیں' امام کے بارے میں جو بھی کلی طور پر کہا جاتا ہے ان بارہ اماموں سے بھی ہر ایک پر صادق آتا ہے۔(اس بحث کی تفصیل "مہدی خاتم اولیاء واوصیاء "بقلم مؤلف مطالعہ فرمائیں")

۲۔ علم امام

اذن خداوندی سے امام کائنات کے حقائق سے واقف ہے۔ سب جگہ اور تمام محسوسات میں سے ہو یا دائرہ محسوسات سے باہر ہو۔ جیسے آسمانی موجودات اور گزشتہ حوادث اور آئندہ پیش آنے والے واقعات اور امام کے علم کے اثبات کا ذریعہ متواتر روایات ہیں جو مجموعہ حدیث شیعہ میں بیان ہوئے ہیں جیسے کافی' بصائر' کتب صدوق' بحار الانوار اور ان کے علاوہ دوسری کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان میں زیادہ روایات کے بموجب' امام کو تمام چیزوں سے واقفیت بخشش الٰہی کے تحت ہے' یہ از راہ اکتساب نہیں۔ اور جو کچھ چاہتا ہے اِذن الٰہی سے تھوڑی توجہ سے جان جاتا ہے۔

بہت سی روایات کے بموجب جو احادیث کے منبع سے بیان ہوئے ہیں پتہ چلتا ہے کہ علم امام کے منابع مختلف اور متعدد نوعیت کے ہیں۔ پہلے درجہ میں ان کا علم قرآن مجید کے تمام معانی سے آگاہی ہونا ہے۔ اور دوسرے درجہ میں وہ علوم ہیں جو رسولؐ خدا سے ان تک پہنچے ہیں۔ اور بعد کے درجات میں وہ علوم ہیں جو تائید الٰہی اور الہامات قلبی اور فرشتوں اور عالم غیب سے ارتباط سے ہیں۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ امام ہر شب جمعہ خداوند متعال کی طرف سے نئے اور تازہ علوم اور دانش پایا کرتے ہیں۔ امام صادقؑ کی جملہ حدیث میں سے ایک نقل میں فرمایا ہے : میں ہر شب جمعہ ایک نئی خوشی پاتا ہوں۔

راوی کہتا ہے میں نے پوچھا : خداوند آپ کی خوشیوں میں اضافہ کرے اس

خوشی سے مراد کیا ہے؟ فرمایا:

"اذا کان لیلة الجمعة وافی رسول الله العرش و وافی الائمة معه و وافینا معهم فلا ترد ارواحنا الی ابداننا الا بعلم مستفادٍ ولولا ذلك لا نفدنا"۔

"جب شب جمعہ ہوتی ہے (روح مقدس) رسول اکرمؐ عرش پر جاتی ہے اور ارواح ائمہ علیہم السلام کی ارواح بھی ان سے ملاقات کرتی ہیں (اور روح) میری بھی ان کے ساتھ وہاں جاتی ہے پھر ہماری روح ہمارے بدن کی طرف واپس نہیں آتی ہے مگر نئے اور جدید علوم کے ساتھ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ہماری عقل ودانائی کا خاتمہ ہو جاتا"۔

(اصول کافی ج ۱، ص ۲۵۴ (باب فی ان الائمة یزدادون فی لیلة الجمعة)

بہت سی روایات میں آیا ہے کہ پیغمبرؐ نیز ہر امام اپنی زندگی کے آخری لمحات میں علم امامت کو اپنے بعد والے امام کے حوالے کرتے تھے۔

(اصول کافی ج ۱، ص ۲۳۹)

اور اسی باب میں متعدد دوسری روایات اس بارے میں بھی نظر آتی ہیں کہ یہاں ان کی شرح کی گنجائش نہیں ہے۔

ان روایات پر توجہ دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اماموں کے علمی منابع کیلئے کوئی سادہ سایہ نہیں ہیں۔ جو منابع ان بزرگ ہستیوں کے اختیار میں ہیں ان کو تمام آدمیوں سے ممتاز بناتے ہیں۔ اور عقل کے لحاظ سے بھی ایسی دلیل قاطع کے مالک ہیں جن کے بموجب امامؑ اپنے نورانی مقام کے مطابق اپنے عہد کا سب سے کامل ترین انسان ہے۔ اور اسماء وصفات الٰہی کا مظہر کامل ہے اور کائنات کی تمام چیزوں کے بارے میں آگاہ اور ہر آدمی کے واقعہ سے بھی واقف ہے۔ اور اپنے عنصری ذات کی وجہ سے جدہر توجہ کرتا ہے اس پر حقائق روشن ہو جاتے ہیں۔

۳۔ متواتر روایات کے مطابق ہر امام کا دورانِ امامت اور اس مدت میں بجالانے والے دستور العمل کو خدا کی طرف سے پہلے ہی سے معین ہوا ہے اور پیغمبر اکرمؐ کے توسط سے ان تک پہنچا ہے اور ان میں سے ہر کوئی اپنے دور میں ان فرائض کی بجا آوری پر مکلّف تھا۔ اور انکے کچھ تعہدات تھے جن کے مطابق عمل کرتے تھے۔ کتاب کافی میں ایک باب کا نام ہے "ان الائمة علیهم السلام یفعلوا شیئاً ولا یفعلون الا بعهدٍ من الله عزوجل وامر منه لا یتجاوزونه"۔

"ائمہ علیہم السلام نے سوائے عہد و فرمان الٰہی سے کوئی کام انجام نہیں دیا اور نہ دیتے ہیں اور اس سے تجاوز بھی نہیں کرتے"۔

(اصول کافی، ج ۱ ص ۲۷۹)

اور اس باب میں کئی روایت اس بارے میں بیان ہوئی ہیں۔ "حمران" نے امام باقر علیہ السلام سے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان، امام علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی تحریک کے بارے میں مجھے بتائیں۔ انہوں نے جو دین خدا کیلئے قیام کیا اور اس راہ میں جو مصائب جھیلے، باغیوں کے ہاتھوں قتل ہونا اور ان ظالموں کا ان پر فتح پانا یہاں تک کہ وہ لوگ قتل ہو گئے اور مغلوب ہو گئے تو اس کی وجہ کیا تھی؟

امامؑ نے فرمایا:

"یا حمران ان الله تبارك وتعالیٰ قد كان قدر ذلك علیهم وقضاه و امضاه، وحتمه ثم اجرأ فبتقدّم علم ذلك الیهم من رسول الله (ص) قام علیؑ والحسنؑ والحسینؑ وبعلم صمت من صمت منا"۔ (اصول کافی، ج ۱ ص ۲۸۱)

"اے حمران! خدای تبارک و تعالیٰ نے ان مصائب کو ان کا مقدر کیا اور حکم دیا اور امضاء کیا اور حتمی بنایا اور پھر جاری کر دیا (پس وہ تمام مصائب علم خدا اور

اذن خدا کی ساتھ تھے) اور علیؑ و حسنؑ و حسین علیہم السلام نے بصیرت و علم کے ساتھ جو پہلے ہی رسول خدا (ص) سے انہیں ملا تھا' قیام کیا۔ اور ہمارے خاندان میں سے جس نے بھی خاموشی اختیار کیا وہ از روئے علم ہے"۔

امام حسینؑ واقعۂ کربلا کے قہرمان (شیعی اعتقاد میں) مفترض الطاعۃ امام تھے جن کی اطاعت واجب تھی۔ پیغمبر اکرمؐ کے تیسرے جانشین تھے اور ولایت کلیہ کے مالک تھے۔ امامؑ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کرتے وقت اس مسئلہ کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہئے اور اگر حادثہ شناس آدمی اس حادثہ کی شخصیت کے مختلف پھلوؤں سے آگاہ نہ ہو تو حادثہ کا صحیح نتیجہ نہیں نکال سکتا۔ لہٰذا تحریف شناسیِ عاشورا کے اصول میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت سید الشہداءؑ کی امامت اور ولایت کے پہلو پر توجہ دیں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ کوئی مورخ یا محقق تاریخی لحاظ سے کسی حادثہ کو مختلف پہلوؤں سے جانتا ہو لیکن پھر بھی اس حادثہ میں موجود افراد کے حقیقی چہرہ کو اچھی طرح سے روشن تر کر سکے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ محقق احساس اور معرفت کے لحاظ سے حادثہ سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

اہل سنت کے چند مورخین حادثہ کے تمام تر پہلوؤں سے آگاہی کے باوجود اس حادثہ کے قہرمان (سید الشہداءؑ) کے واقعی چہرہ کا' جیسا کہ تھا' وہ خط نہ کھینچ سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام شناس نہیں ہوتے اور ان حضرت سے سنخیت نہیں رکھتے اور یہ ایک مسلم اصول ہے کہ واقعہ شناس کی شخصیت اور قہرمانِ حادثہ کی شخصیت ایک دوسرے کے مثل ہونی چاہئے۔

معانی ہر گز اندر حرف ناید　　کہ بحر قلزم اندر ظرف ناید

(حرف کبھی معانی ادا نہیں کرتے' دریا کوزہ میں بند نہیں کر سکتے)

اور "شہید جاوید" کے مؤلف کی کوشش ہے کہ امامؑ کے قیام کو ایک عام'

طبیعی اور عقلی ماجرا ظاہر کرے اور حسین بن علی علیہ السلام کی عصمت وامامت سے وہ کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ مؤرخین اہل سنت کے نظریہ سے اتنا فرق نہیں رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ شخص جو قیام امامؑ پر انکی امامت و عصمت پر عقیدہ رکھے بغیر تحقیق کرتا ہے اور وہ شخص جو امامؑ کی امامت اور عصمت کا قائل ہوتا ہے اگر اپنے تاریخی تحقیق میں اس عقیدہ کو دخل نہیں دیتے تو نتیجہ یکسان نکلتا ہے۔ پس اس شخص کی برسی اور تحقیق اس بارے میں ارزش رکھتی ہے جو شئون امامت سے مناسبت اور اس بے مثال وواقعہ کے تمام پہلوؤں کی تفسیر و تحلیل کر سکتا ہو۔

پس تحریف شناس آدمی اور عاشورا کے قہرمان کی شخصیت کے درمیان سخیت ہونا (ایک دوسرے کے مثل ہونا) ناگزیر ہے۔ تاکہ امام حسینؑ کی روح اور انکی رفتار کو اپنے دل وجان سے محسوس کر سکے اور اپنے علمی اور فنی آثار میں اس کو منعکس کرے اور شاید حادثۂ عاشورا کی تحریک کا سب سے اہم عامل یہ ہے۔ عام طور پر مفکرین نے اس واقعہ کی معرفت کیلئے کمر ہمت باندھی جبکہ وہ خود امام کے بارے میں کافی شناخت نہیں رکھتے اور جس طرح سے امامؑ کو پہچاننا چاہئے تھا وہ شناخت نہ کر سکے۔ پس چہرۂ عاشورا کو تحریف کی گرد سے پاک کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس نہضت کی معرفت امام شناس صاحبان فکر کے توسط سے حاصل کریں۔

جی ہاں! حادثۂ عاشورا تاریخ کے بے مثال حوادث میں سے ہے جس پر تمام دوسرے حوادث اور دعوتوں اور سیاسی یا دینی تحریکوں کی طرح رائے کا اظہار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ قیام ان دوسرے سیاسی دعوتوں اور قیام سے جو حکومت کی طلب میں اور لوگوں کے اپنے مفاد کیلئے ہیں بنیادی فرق رکھتا ہے۔ اور یہی فرق اسے زیادہ محرک اور انقلاب انگیز بنادیتا ہے۔ لہٰذا اس حادثہ کے بارے میں ان خصوصیات کو مد نظر رکھے بغیر اظہار رائے نہیں کر سکتے اور اس قیام کو ایک عمومی

قیام کی طرح تشریح اور توصیف نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اگر اس قیام کو عمومی شمار کرینگے تو اسکے تمام جزئیات کو بھی عمومی جان لینا چاہئے۔ حالانکہ اس قیام مقدس کے کچھ اہم حصوں کی قطعاً عمومی طور پر تعبیر اور تفسیر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قیام کا آغاز اور امام کی حرکت کا انداز مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کوفہ کی طرف کسی صورت بھی سیاسی اور نظامی قیام اور تحریکوں کی مثل نہیں ہے۔ اور عمومی موازین کے ساتھ اسکی تطبیق نہیں کرنا چاہئے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ قیام ایک الٰہی امر کے تحت اور ملکوتی رمز ورمز والا تھا۔ جسے امام نے غیبی حکم کے تحت قبول فرمایا ہے۔

امام حسین علیہ السلام جو کہ امامت کی نظر رکھتے تھے اور حقیقی رہبری کے حامل تھے یزید کے ساتھ بیعت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یزید کی بیعت اسلام کی نابودی پر مہر ثبت کرنا تھا۔ اور ان کا فرض بیعت سے انکار کے علاوہ کچھ نہیں تھا اور خدائے متعال بھی ان سے یہی چاہتا تھا۔

دوسری طرف بیعت سے انکار کا تلخ اور ناگوار انجام تھا کیونکہ بنو امیہ کی دہشتناک حکومت تمام تر طاقت کے ساتھ امام سے بیعت طلب تھی، اور بیعت سے کم پر راضی نہیں تھی۔ لہٰذا بیعت سے انکار کی صورت میں امامؑ کی شہادت یقینی تھی۔

امام حسینؑ نے مصلحت اسلام اور مسلمین کو مد نظر رکھتے ہوئے قطعی مصممؑ ارادہ کر لیا کہ بیعت سے انکار اور شہادت کو قبول کرینگے اور بے محابا موت کو زندگی پر ترجیح دیدیا اور فرمان الٰہی بھی یہی تھا۔

مرحوم علامہ طباطبائی اس بارے میں لکھتے ہیں :

"جی ہاں ! سید الشہداءؑ نے مصممؑ فیصلہ کیا کہ بیعت سے انکار اور (نتیجہ میں) شہادت کو قبول کیا اور موت کو زندگی پر ترجیح دیا۔ اور پیش آنے والے واقعات نے بھی انکے نظریہ کی اصابت کو ثابت کر دیا۔ ان کی

شہادت اس قدر جگر سوز اور دلخراش حالات میں ہوئی کہ اہل بیت علیہم السلام کی حقانیت اور مظلومیت کو ثابت کر دیا اور شہادت کے بعد بارہ سال تک مختلف تحریکیں اور قیام وخونریزی جاری رہیں۔ اور اسکے بعد وہی گھر جس کی عظمت امام کی زندگی میں کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ پانچویں امامؑ کے دور میں جب ذرا سکون نظر آیا تو اطراف واکناف سے شیعہ سیلاب کی مانند اسی گھر کے در پر اُمڈ آئے اور اس کے بعد دن بہ دن شیعیان اہل بیت علیہم السلام کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور ان کی حقانیت اور نورانیت دنیا کے ہر گوشہ وکنار میں تابانی اور آواز پھیلنے لگی۔ اور اس کی پائیداری ' حقانیت نامہ دونوں اہل بیت علیہم السلام کی مظلومیت میں ہوتی ہے۔ اور اس میدان میں سب سے آگے حضرت سید الشہداءؑ تھے۔

اب اگر امام حسینؑ کی زندگی میں اہل بیت علیہم السلام کی حالت اور لوگوں کا ان کی طرف راغب ہونے کو ان کی شہادت کے بعد ۱۴ صدیوں کے جو واقعات پیش آئے ان کا مقایسہ کریں تو سال بہ سال ان کی قبولیت زیادہ تازہ اور زیادہ عمیق ہوتی جاتی ہے۔ امامؑ کی اصابت نظر کو روشن کرتی ہے۔ اور جو بیت امامؑ نے (بعض روایات کے مطابق) پڑھا ہے اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

وما ان طبنا جبن ولکن منایانا ودولت آخرینا

پھر مرحوم علامہ مزید فرماتے ہیں :

"اسی خیال سے معاویہ نے یزید کو تاکید کے ساتھ وصیت کی تھی کہ اگر حسینؑ بن علیؑ نے بیعت سے انکار کیا تو انہیں اپنے حال پر چھوڑ دینا۔ اور

کسی بھی حال میں ان سے متعرض نہ ہونا۔ معاویہ نے یہ وصیت ازراہ محبت اور اخلاص نہیں کی تھی بلکہ وہ جانتا تھا کہ حسینؑ بن علیؑ بیعت کرنے والے شخص نہیں ہیں۔ اور اگر یزید کے ہاتھوں قتل ہو گئے تو اہل بیت اپنے لئے مظلومیت کی حالت اپنائینگے اور یہ اموی حکومت کیلئے خطرناک ہے اور اہل بیتؑ کیلئے تبلیغ اور پیش رفت کیلئے بہترین وسیلہ ہے"۔

(علامہ طباطبائیؒ: بحث کوتاہی دربارۂ علم امام، قم، چاپ حکمت، ص ۲۶۔۲۵)

امامؑ اپنی شہادت سے آگاہ تھے

امامؑ اپنے الٰہی فریضہ جو کہ یزید کی بیعت سے انکار تھا خود آگاہ تھے اور سب سے زیادہ بنوامیہ کی طاقت وقدرت اور یزید کی خلق وخو پیچھے پڑے ہوئے تھے اور آپؑ جانتے تھے کہ بیعت سے انکار کا نتیجہ انکا قتل ہونا ہے۔ اور فریضۂ الٰہی کی تعمیل میں ان کی شہادت یقینی ہے۔ جو آپؑ نے خود مختلف جگہوں پر اس راز پر سے پردہ اٹھایا ہے۔

۱۔ حاکم مدینہ کے دربار میں جب ان سے یزید کیلئے بیعت مانگا گیا تو فرمایا مجھ جیسا آدمی یزید جیسے کی بیعت نہیں کرے گا۔ اور جب راتوں رات مدینہ سے باہر جارہے تھے تو اپنے نانا رسولؐ خدا سے نقل فرمایا کہ خواب میں مجھ سے فرمایا: "ان الله شاء ان يراك قتيلا" خدا چاہتا ہے (یعنی حکم الٰہی ہے) کہ تم کو قتل ہوتا ہوا دیکھے۔ (بحار، ج ۴۴، ص ۳۶۴)

۲۔ امامؑ جانتے تھے کہ بنوامیہ کے جلاّد ان کو بیعت نہ کرنے کی وجہ سے جہاں پر بھی ہوگا قتل کردینگے۔ لہٰذا مکہ میں عبداللہ بن زبیر سے فرمایا: "خدا کی قسم اگر میں مارا جاؤں اور مسجد الحرام سے ایک بالشت باہر ہو تو بہتر ہے اس سے کہ یہاں مارا جاؤں اور اگر دو بالشت زیادہ دور ہو تو مجھے زیادہ پسند ہے۔

"وأيم الله لو كنت فى حجر هامة من هذه الهوام لا ستخرجونى حتىٰ يقضوا بى حاجتهم"۔

"خدا کی قسم میں جدہر بھی پناہ لے لوں مجھے باہر نکالیں گے یہاں تک کہ اپنا مقصد پورا کرینگے"۔

(کامل، ج ۳ ص ۲۷۶، طبری، ج ۷، ص ۲۸۷)

۳۔ جب عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید (مکہ کے گورنر کا بھائی) نے امامؑ کو

عراق جانے سے منع پر اصرار کیا تو جواب دیا :

"انی رایت رؤیاً فیها رسول الله (صلی الله علیه وآله) وأُمرت فیها بأمرانا ماضٍ له علیّ کان اولی فقالا:ماتلك الرؤیا ؟قال:ماحدثت بها احداً ومانا محدث بها احداً حتی القی ربی"۔

"میں نے رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا اور آنحضرتؐ کی طرف سے ایک کام پر مأمور ہوا کہ اسے انجام دوں خواہ میرے نقصان میں ہو یا نفع میں' انہوں نے پوچھا : وہ خواب کیا ہے ؟ فرمایا : کسی کو اس کے بارے میں میں نے نہیں بتایا ہے۔ اور نہ کسی کو بتاؤں گا یہاں تک کہ اپنے پروردگار سے ملاقات کروں"۔ (ارشاد' ۲۲۹ کامل ابن اثیر ج ۳' ص ۲۷۷)

ایک اہل تحقیق اور معرفت اس حدیث کے ذیل میں یہ کہتا ہے کہ :

"جب آپ لوگ واقعۂ کربلا کے بعد اور جو مصائب امامؑ پر پڑے اور امامؑ کے اہل وعیال اسیر ہو گئے اور وہ صبر و شجاعت وایثار جو امام کی ذات سے ظاہر ہوئے اس کے علاوہ کیا سمجھیں گے کہ اس خواب نے انہیں رجوع کیا اس سفر کے انجام پر اور جو اس بے مثال و عظیم آزمائش کے بارے میں وہ دستور العمل تھے۔ ہماری نظر میں جو حوادث بعد میں رونما ہوئے وہ سب اس خواب کو نمایاں کرنے والے اور تعبیر تھے۔

(آیت اللہ صافی' شہید آگاہ' ص ۵۸)

۴۔ ابن عباس اور ابن عمر اور محمد حنفیہ اور دوسرے لوگوں سے جواب میں بھی فرمایا :"رایت رسول الله (ص) فی المنام وامرنی بامر فانا فاعل ماامر"۔

"میں نے رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا کہ مجھ کو کسی کام کا حکم دیا ہے جو بجالاؤں گا"۔ (اسد الغابۃ' ج ۲ ص ۲۱)

۵۔ اور ایک عرب نے عراق کے راستہ میں امام سے اصرار کیا کہ کوفہ کی طرف جانے سے باز آجائیں وگرنہ قطعاً قتل ہو جائینگے۔ فرمایا: یہ بات مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑینگے اور جہاں جاؤں اور جہاں رہوں مجھے قتل کرینگے"۔(بہ نقل علامہ طباطبائیؒ، علم امام، ص ۲۷)

۶۔ عقبہ میں جب ایک آدمی امامؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور امامؑ کو قسم دیا کہ واپس جائیں اور کہا: "فوالله ماتقدم الا على الاسنه وحدَّ السيوف....."۔ خدا کی قسم آپؑ کا رخ نیزوں کی نوک اور تلواروں کی دھار کے سوا کسی چیز کی طرف نہیں ہے"۔

امامؑ نے جواب دیا: " انه لايخفى على ماذكرت ، ولكن الله عزوجل لا يغلب على امره"۔ "جو کچھ تم نے مجھ سے کہا مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یعنی میں جانتا ہوں کہ نوک نیزہ اور تلوار کی دھار کی طرف جارہا ہوں لیکن خداوند عالم اپنے ارادہ میں کسی چیز یا کسی شخص سے مغلوب نہیں ہوتا ہے....."(ارشاد ص ۲۳۴، ۲۳۳ کامل، ج ۳، ص ۲۷۸)

ابن صباغ کی روایت کے مطابق امامؑ نے فرمایا: "لا يخفى على شئ مما ذكرت ولكنى صابر ومحتسب الى ان يقضى الله امراً كان مفعولا" "اشارہ کرتے ہیں کہ یہ الٰہی امر ہے اور ناچار میری شہادت سے حق آشکار ہوگا"۔(الفصول المہمۃ، ص ۱۷۱)

شیخ مفیدؒ اور طبرسیؒ اور ابن کثیرؒ نقل کرتے ہیں کہ بطن عقبہ میں فرمایا: "خدا کی قسم مجھے نہیں چھوڑینگے یہاں تک کہ میرے خون کو بہائیں گے اور جب مجھے قتل کرلیں گے خدا ان لوگوں پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں دوسری قوموں کے سامنے ذلیل اور رسوا کرے گا"۔(ارشاد، ص ۲۳۴،

اعلام الوریٰ، ص ۱۲۷، البدایہ والنہایہ، ج ۸ ص ۱۶۹)

۷۔ شیخ مفیدؒ نے روایت کی ہے کہ عمر سعد نے امامؑ سے کہا:

"یالبا عبداللہ ہمارے پاس ایسے بے وقوف لوگ ہیں جن کا گمان ہے کہ میں آپؑ کو قتل کروں گا؟ آپؑ نے فرمایا: وہ لوگ بیوقوف نہیں ہیں بلکہ خردمند ہیں۔ جان لے کہ میرے بعد تو عراق کا گندم نہیں کھائے گا مگر بہت کم"۔ (کنز العمال ج ۷، ص ۲۱۱)

۸۔ ابن کثیر اور ذہبی نے روایت کی ہے کہ: عبدالرحمٰن کی بیٹی "عمرہ" نے امامؑ کو ایک خط لکھا اور خبردار کیا کہ وہ اپنی قتلگاہ کی طرف جارہے ہیں۔ اور اس خط میں لکھا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ حضرت عائشہؓ نے مجھ سے روایت کی کہ میں نے رسولؐ اللہ سے سنا ہے میرا حسینؑ سرزمین بابل میں مارا جائے گا۔ امامؑ نے فرمایا: پس اپنی قتلگاہ کی طرف جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں رکھتا۔ (سیرَ اعلام النبلاء ج ۳، ص ۱۹۹۔ تاریخ الاسلام، ج ۲، ص ۳۴۳، البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۱۶۳)

۹۔ اور ذہبی نے بھی یزید الرشک سے اور اس نے کسی شخص سے کہ جس نے امام علیہ السلام سے بذات خود بات کی ہے، روایت کیا ہے: کہ میں نے بیابان میں خیمے لگے ہوئے دیکھے، وہاں آیا تو میں نے امام حسینؑ کو دیکھا جو قرآن تلاوت فرمارہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپؑ پر فدا اے دختر رسولؐ کے فرزند کون سی چیز آپؑ کو اس شہر سے بیابان میں لے آئی جہاں کوئی نہیں ہے؟ فرمایا: یہ کوفیوں کے خطوط ہیں میرے پاس بھیجے ہیں۔ اور میں اسکے سوا کچھ نہیں دیکھتا کہ مجھے قتل کرینگے اور جب مجھے قتل کر چکے تو خدا کیلئے حرمت کے قائل نہیں رہیں گے مگر یہ کہ

اس کی ہتک کرینگے پس خداوند ان لوگوں پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو ان لوگوں کو ذلیل و خوار کرے گا۔ (سیرَ اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۲۰۶، تاریخ اسلام ج ۲، ص ۳۴۵ البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۱۶۹)

۱۰۔ ذہبی ان ذواحادیث کے علاوہ آٹھ اور حدیث روایت کرتا ہے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ پیغمبرؐ اور حضرت علیؑ اور خود امام حسینؑ اور دوسرے لوگ جانتے تھے کہ امام علیہ السلام عراق میں زمین کربلا میں شہید ہوں گے۔

(سیرَ اعلام النبلاء ج ۳، ص ۱۹۳، ۱۹۶)

یہ روایات مختلف طریقوں سے عام اور خاص دونوں کی طرف سے بیان ہوئی ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ اور امیر المومنینؑ اور خود سید الشہداءؑ نے جو پیش گوئی کی تھی بقدرے زیادہ ہیں کہ قطعی اور یقینی طور پر کہنا چاہئے کہ امام حسینؑ اس سفر میں اپنی شہادت سے خود بھی آگاہ تھے اور طول راہ میں امامؑ نے کئی بار اپنی شہادت کی خبر دی جو کہ شہادت پر یقین کی وجہ سے تھا۔

ممکن ہے کوئی تصور کرے کہ یقینی علم کسی یقینی حادثہ پر نا قابل تغیر ہو تو اس کا لازمہ "جبر" ہے۔ مثال کے طور پر فرض کریں کہ امام جانتے تھے کہ فلاں شخص، فلان وقت اور فلان جگہ خاص حالات میں ان کو قتل کرے گا اور یہ واقعہ کسی بھی وجہ سے ٹلنے والا نہیں۔ اس مفروضہ کا تقاضا یہ ہے کہ : قتل نہ کرنا، قاتل کے اختیار میں نہیں تھا اور یہ اس کے بس میں نہیں تھا یعنی قاتل قتل کرنے پر مجبور تھا اور اس فرض کے ساتھ کہ قاتل مجبور تھا اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

مرحوم علامہ طباطبائی اس پیچیدہ امر کے جواب میں کہتے ہیں :

یہ ایک بے بنیاد تصور ہے کیونکہ :

اولاً : یہ اشکال حقیقت میں قضائے الٰہی پر اشکال کرنا ہے کہ قضائے الٰہی

انسان کے اختیاری افعال پر اثر رکھتا ہے (اور علم امام پر اشکال نہیں ہے) اور اشکال کے مطابق معتزلہ کہتے ہیں۔ قضاو قدر الٰہی انسان کے اختیاری افعال سے متعلق نہیں ہو سکتا ہے اور انسان مستقل طور پر اپنے فعل کا خود خلاق ہے اور نتیجہ میں انسان اپنے افعال کا خالق اور خدا بقیہ اشیاء کا خالق ہے۔ حالانکہ نص صریح قرآن کریم اور پیغمبرؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی متواتر احادیث ہیں اور کائنات میں موجود تمام مخلوقات بغیر کسی استثناء کے قضاء و قدر الٰہی سے متعلق ہیں۔ اجمالی اور مختصر طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہانِ ہستی خداوند متعال کی آفریدہ ہے اور اس میں کوئی بھی چیز اذن خداوندی کے بغیر وجود میں نہیں آتی۔ اور مشیت الٰہی انسان کے اختیاری افعال کے بارے میں ارادہ و اختیار کی بناء پر تعلق رکھتا ہے۔ یعنی خداوند چاہتا ہے کہ انسان فلاں اختیاری فعل کو اپنے اختیار و ارادہ سے انجام دے اور البتہ بدیہی ہے کہ ایسے وصف کا فعل لازم التحقق ہوگا۔ ان سب کے باجود اختیاری ہے کیونکہ اگر اختیاری نہ ہو 'ارادۂ خداوندی اپنے ارادہ کے خلاف کرے گا۔

"ومایشاؤون الا ان یشاء اللہ .....رب العالمین"۔

ثانیاً : اگر انسان کے اختیاری افعال سے قضاو قدر کے تعلق کو صَرف نظر کریں نص صریح قرآن اور سنت متواترہ میں ہے کہ خداوند نے ایک لوح محفوظ خلق فرمایا ہوا ہے جس میں دنیا میں پیش آنے والے تمام گزشتہ اور آیندہ حوادث کو ثبت کر دیا ہے اور اس میں کسی قسم کی تغییر کی گنجائش نہیں اور جو کچھ اس میں ہے خود خداوند عالم آگاہ ہے۔ کیا یہ مضحکہ خیز بات نہیں اگر کہیں کہ لوح محفوظ میں نا قابل تغییر حوادث ثبت ہیں اور خدا کا ان سے ما قبل آگاہ ہونا انسان کے افعال کو تو جبری نہیں بناتا' لیکن اگر امام ان میں سے بعض یا سب پر آگاہی رکھتا ہو تو انسان کے اختیاری افعال اور من جملہ امامؑ کے قاتل کے افعال جبری

ہو جاتے ہیں ؟(بحث کوتاہی دربارۂ علم)

پس اعمال امام علیہ السلام کے ظواہر کو جنہیں علل واسباب ظاہری سے منطبق کر سکتے ہیں، اس کی دلیل نہیں جاننا چاہئے کہ کسی کے پاس خدا کا بخشا ہوا علم نہیں اور واقعہ اور حقیقت حال سے امامؑ آگاہ نہیں تھے۔ جیسے کہ کہا جائے اگر امام علیہ السلام کو حقیقت حال کا پتہ تھا تو کیوں حضرت مسلم کو اپنا نمائندہ بنا کر کوفہ بھیجا ؟ کیوں صیداوی کے ذریعہ اہل کوفہ کو خط لکھا؟ کیوں خود کوفہ کی راہ لی ؟ کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ؟ حالانکہ خداوند متعال فرماتا ہے :"ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة"۔(سورۂ بقرہ : ۱۹۵) کیوں اور آخر کیوں ؟

ان تمام سوالات کا جواب اس نکتہ سے روشن ہو جاتا ہے جسے ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور امام علیہ السلام ان موارد اور ان حالات میں ان علوم پر عمل کرتے تھے جو عام ذریعہ سے اور شواہد و قرائن سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اصل خطرہ کو دور کرنے کیلئے کسی طرح کا بھی اقدام نہ کیا کیونکہ جانتے تھے کہ کوشش کرنا بے سود ہے۔ اور قضاء حتمی اور نا قابل تغییر ہے۔ جیسے کہ خداوند متعال سورۂ آل عمران میں ان لوگوں سے جنہوں نے جنگ اُحد میں یہ کہا تھا کہ اگر ہمارے دوست جو مارے گئے ہمارے ساتھ ہوتے تو نہ مرتے فرماتا ہے :"قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیھم القتل الی مضاجعھم"۔

"کہہ دو! اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی ہوتے جن لوگوں کا قتل مقدر ہو گیا تھا بے شک اپنی خوابگاہوں سے خود ہی باہر آئے ہوتے"۔

(آلعمران : ۱۵۴)

غرض یہ کہ امامؑ کا علم موھبتی (بخشش الٰہی) ان کے اعمال اور ان کی مخصوص ذمہ داریوں سے کوئی ربط نہیں رکھتا ہے۔ اور اصل میں ہر واجب امر اس

لحاظ سے کہ قضاء حتمی سے متعلق اور حتمی طور پر واقع ہونا ہے۔وہ انسانی امر و نہی یا ارادہ سے متعلق نہیں ہوتا ہے۔جی ہاں ! قضاء حتمی اور مشیت الٰہی سے رضا کا تعلق ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ سید الشہداءؑ زندگی کے آخری لمحات میں جب خاک وخون میں غلطاں تھے فرمارہے تھے :"رضاً بقضائك وتسليماً لامرك لا معبود سواك" اور اسی طرح مکہ سے باہر نکلتے وقت ایک خطبہ میں فرمایا :" رضا الله رضانا اهل البيت "۔(علامہ طباطبائیؒ مقالہ علم امام'ص ۱۲۔۱۵)

جس نکتہ سے غافل نہیں ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ اگر امامؑ مکہ یا مدینہ میں رہتے اور وہاں شہید ہو گئے ہوتے تو آج تاریخ انکے بارے میں کیا فیصلہ کرتی ؟ یزید بیعت کے علاوہ امامؑ سے کسی بات پر راضی نہ تھا اور امامؑ بھی جانتے تھے کہ یزید کی بیعت کرنا دین کو الوداع کرنا ہے۔اسی لئے فرمایا : میں جہاں کہیں پناہ لوں گا یہ مجھے قتل کرینگے۔اگر امامؑ مدینہ یا مکہ یا یمن جاتے اصل قضیہ پر کوئی اثر نہ پڑتا اور امامؑ ہر حالت میں حکومت کے جباروں کی تیر کی زد میں ہوتے۔ اور آخر کار شہید ہو جاتے اور آج تاریخ یہ کہتی :اگر حسینؑ کوفہ جاتے جنہوں نے اٹھارہ ہزار خطوط امامؑ کو بھیجے تھے تو کوئی ان کو کمک اور نصرت دیتا اور مسلم طور پر مارے نہ جاتے اور بنو امیہ کی جابر حکومت کے ہاتھوں سے صحیح سلامت بچ نکلتے۔اس بات سے غافل تھے کہ ان دنوں ہر جگہ امام حسینؑ کی قتل گاہ تھی اور حسینؑ نے کوفہ کی طرف حرکت کر کے تاریخ کے اس ناروا فیصلہ سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا۔

شہادت' جہاد سے برتر ایک اصل ہے

امام معصومؑ سے روایت ہے :

"فوق کل برٍّ 'برٌّ حتی یقتل فی سبیل الله ' فاذا قتل فی سبیل الله عزوجل فلیس فوقه برّ"۔

"ہر نیکی سے بڑھ کر کوئی اور نیکی ہوتی ہے یہاں تک کہ مرحلۂ شہادت آجائے کہ جس کے سامنے کوئی نیکی وجود نہیں رکھتی جس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں ہے"۔(میزان الحکمت' ج ۵' ص ۱۸۷' حدیث ۵۔۲۱)

علی علیہ السلام فرماتے ہیں :

"ان اکرم الموت القتل والذی نفس ابن ابی طالب بیده الف ضربه بالسیف اهون علی من میتة علی الفراش فی غیر طاعة الله"۔(نہج البلاغہ : خطبہ ۱۲۳)

امام حسینؑ' نے امام علیؑ سے سیکھا ہے کہ "شہادت" ایک حالت نہیں ہے اور مجاہد کا دشمن کے ہاتھوں قتل ہونا نہیں ہے بلکہ خود ایک حکم ہے۔ ایک "مستقل حکم" جہاد کے علاوہ اور جہاد کے بعد۔

امام حسینؑ نے یزید کی بیعت کے مطالبہ پر والیٔ مدینہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا : "والیٔ مدینہ جان لے ! ہم خاندان نبوت' مرکز رسالت ہیں اور ہمارا گھر فرشتوں کے نازل ہونے کی جگہ اور رحمت الٰہی کے اترنے کی جگہ ہے۔ لیکن یزید ایک فریبی' شرابی اور فاسق و فاجر شخص ہے اور مجھ جیسا شخص ہرگز اس جیسے شخص کی بیعت نہیں کرتا۔ اب میں اس انتظار میں ہوں کہ دیکھوں کہ کیا حوادث پیش آتے ہیں"۔(لہوف' ص ۵۷)

مروان بن حکم کے جواب میں فرمایا:

"(انا لله وانا اليه راجعون) و على الاسلام السلام اذ قد بليت الامه براع مثل يزيد"۔

"استرجاع کا یہ جملہ مصیبت کے نزول اور المناک حالات میں کہتے ہیں یعنی اسلام کا فاتحہ پڑھنا چاہئے' جب امت اسلام یزید جیسے حاکم کی ابتلاء سے گھر جائے یعنی اسلام کا فاتحہ پڑھ لینا چاہئے اگر حقیقت میں امت اسلامی کا معاملہ وہاں تک پہنچے کہ مسلمانوں کا رہبر وحاکم یزید بن معاویہ ہو باوجود یکہ میں نے اپنے جد رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "خلافت آل ابی سفیان پر حرام ہے"۔

(لہوف ۵۷)

مدینہ میں اپنے بھائی محمد حنفیہ کے ساتھ طویل گفتگو میں فرمایا:

"يا اخى لولم يكن من الدنيا ملجاً ولا ماوىٰ لما بايعت يزيد بن معاويه....."۔

"میرے بھائی اگر روئے زمین میرے لئے کوئی پناہ گاہ اور جائے امید نہ ہو' پھر بھی ہرگز یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ میرے بھائی آپ مشمول رحمت الٰہی اور اللہ کی عنایت ہیں کیونکہ آپ نے نصیحت کے حق کو ادا کیا لیکن میں مدینہ سے عازم مکہ ہوں۔ میری بہنیں' بھانجے اور میرے دوستوں اور شیعوں میں سے بعض لوگ اس سفر میں میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ وہ لوگ میرے ہم خیال ہیں اور ان کی خواہش وہی ہے جو میری ہے۔ (مقتل خوارزمی' ج ا ص ۱۸۸)

قیس ابن اشعث کے جواب میں جو آپؑ کے بد خواہوں میں سے تھا اور یزید کی بیعت کرنے کی دعوت دے رہا تھا' امام نے فرمایا:

"لاوالله ، لا اعطیھم بیدی اعطاء الذلیل ولا افر ضرار العبید یا عبادالله انی عذت بربی وربکم ان ترجمون اعوذ بربی وربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب "۔

"نہیں! ہر گز نہیں! خدا کی قسم اپنے ہاتھ کو ایک ذلیل آدمی کی طرح اس کی طرف نہیں بڑھاؤں گا اور غلاموں کی طرح فرار کی راہ نہیں اپناؤں گا' میری پناہ اور پناہگاہ صرف خدائے متعال ہے"۔

پس امام حسینؑ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ یزید کی بیعت نہیں کریں گے۔ اور اس کی غیر شرعی حکومت کو رسمی طور پر قبول نہیں کریں گے۔ اور مکمل طور پر حتی کہ اس بیعت سے انکار کا لازمہ "شہادت" ہے 'امامؑ نے بیعت سے انکار کر کے حقیقت میں شہادت کو حیات پر ترجیح دیا اور فرمایا:

"فانی لاارى الموت الا سعادة (شهاده) والحياة مع الظالمين الا برما"

"ان حالات میں موت کو سوائے سعادت (شہادت) اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو سوائے تھکن اور کوفت کے کچھ نہیں دیکھتا"۔

اس طرح امامؑ نے خود اپنے ارادہ واختیار سے شہادت کو یزید کی بیعت پر ترجیح دیا۔ امامؑ نے روز عاشورا اپنے خطبوں میں سے کسی ایک میں فرمایا:

"الا وان الدعی بن الدعی قد رکز بین اثنتین بین السله والذلة و هیھات منا الذلة یابی الله ذلك لنا ورسوله والمومنون......"۔

"اے لوگو! جان لو اس شخص نے جس کے باپ کا پتا نہیں (یعنی ابن زیاد) اس شخص کا بیٹا ہے خود جس کا باپ نامعلوم ہے (زیاد ابن ابیہ) نے مجھ کو دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے اور اس قدر مجبور کر دیا ہے کہ ناچار ان دوراہوں میں سے ایک کو اختیار کروں یا تلوار نیام سے کھینچوں جنگ کا آغاز کروں یا

لباس ذلت پہن لوں اور یزید کی بیعت کر لوں۔ لیکن جان لو میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور میرا فیصلہ اٹل ہے۔ اور اسی راہ کو یعنی جنگ و شہادت کو انتخاب کروں گا کیونکہ ہم اہل ذلت نہیں ہیں۔ خدا اور رسولؐ خدا اور مومنین اور ماؤں کی پاک و با فضیلت اور شجاعت کی گودوں کے پروردہ ہیں اور یہ جوانمرد جو میرے ساتھ ہیں ہرگز اجازت نہ دینگے کہ ہم خود کو ذلت و خواری کے حوالہ کر دیں۔ جان لو کہ میرے یار و مددگار کم ہونے کے باوجود تم سے جنگ کروں گا"۔ (لہوف : ۶۳)

اور یہ ایسی بات ہے کہ اس کی اہل سنت کے مؤرخین نے بھی تصریح کی ہے۔

ابن ابی الحدید کہتا ہے :

"سید اهل لاباء الذی علم الناس الحمیة والموت تحت ظلال السیوف اختیاراً له علی الدنیه هوا بوعبداله الحسینؑ بن علیؑ بن ابیطالب الذی عرض علیه الامان و اصحابه فانف من الذل وقال الا و ان الدعی بن الدعی قد رکز بین اثنتین بین السلة و الذلة هیهات منا الذلة یابی الله ذلك لنا ورسوله والمؤمنون و حجور طابت وطهرت وانوف حمیة ونفوس ابیة من تؤثر طاعة اللتام علی مسارع الکرام"۔

"ان مردوں کے عظیم سردار جنہوں نے قبول ستم سے انکار کیا' جنہوں نے لوگوں کو درس غیرت دی اور بتایا کہ تلوار کے سایے میں مرنا پستی اور ذلت سے بہتر ہے۔ وہ حسینؑ بن علیؑ ابن ابیطالبؑ ہیں انہیں اور ان کے اصحاب کو امان کی پیشکش دی' قبول نہیں کیا اور ذلت نہ اٹھائی' اور کہا : یہ جان لو کہ ایک پست اور ذلیل شخص نے مجھ پر اتمام حجت کیا ہے

اور میرے لئے قتل ہونے یا تسلیم ہونے کا اختیار چھوڑا ہے۔ لیکن ذلت میری ذات سے دور ہے۔ نہ ہی خدا راضی ہے کہ میں ذلیل ہو جاؤں اور پیغمبرؐ اور نہ دنیا کے باایمان لوگ اور نہ ہی وہ پاکیزہ دامن جس نے میری پرورش کی اور نہ وہ غیر تمند روح جو مجھ میں ہے ہر گز کمینوں کی اطاعت کو قتل اور شرافت پر ترجیح نہیں دوں گا"۔

توفیق ابو علم مصری دانشمند اور مورخ کہتا ہے :

"امام علیہ السلام کا یزید کی خلاف قیام کرنا ایسا اقدام تھا جس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ اور امام کے لئے ناگزیر تھا کہ قیام کریں کیونکہ یزید کے ساتھ بیعت کرنا ایسا گناہ تھا جس کو کسی نوعیت کا تقیہ جایز نہیں کرتا تھا اور کوئی عذر بھی قبول نہیں ہو سکتا تھا"۔ (اہل البیتؑ، ص ۵۱۳)

شیخ عبد الباقی جامعۃ الازہر کے ایک عالم لکھتے ہیں :

"امام حسینؑ عاقبت بین اور دور اندیش تھے اور ہر چیز کی قدر و قیمت کو حقیقت پر مبنی صحت اور باریک بینی سے کرتے تھے۔

انکا یزید کے خلاف قیام اس وقت انجام پایا جبکہ یزید کے قبضہ میں آدھی دنیا کی حکومت تھی اور پانچ لاکھ سپاہی اس کی اطاعت میں تھے۔ اس کی فوجی طاقت کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اس علم کے ساتھ کہ خود ان کے پاس کوئی لشکر اور یار و مددگا نہیں ہے، اہل عراق کو بھی جانتے تھے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے ان کے باپ کو تنہا چھوڑا اور خلاصہ یہ کہ تمام اوضاع و احوال (سیاسی، اجتماعی اور نظامی) سے آگاہ تھے۔

انکا قیام اسلام کی آبرو اور شرافت کی حفاظت کیلئے تھا جیسے حکومت یزید نے ہدر کر کے کرسی خلافت کو بزور اسلحہ، مکر و فریب اور رشوت کے

ذریعہ سے غصب کیا ہوا تھا۔

امام حسینؑ نے قیام کیا' وہ اس دور میں اسلام کے اوّلین جوانمرد تھے' اپنے باپ اور بھائی کے بعد احکام اسلام اور اسکی میراث کے محافظ تھے۔ یہ ممکن نہیں کہ رسولؐ کی عترت' مرد مجاہد' باایمان اور غیرت مند شخصیت ہو اور شرعی حدود سے تجاوز اور اسلامی تعلیمات کی اہانت ہوتے ہوئے دیکھے اور خاموش تماشائی بن کر آنکھیں بند کرلے۔ انہوں نے قیام کیا تاکہ ظالم کو ظالم کہا جائے' قیام کیا تاکہ فیض شہادت تک پہنچیں' قیام کیا تاکہ حق کو غالب اور باطل کو مغلوب بنائیں"۔

(الثائر الاول فی الاسلام الحسین سید الشہداءؑ' ص ۱۲)

البتہ شہادت کا قبول ہونا ایک شرعی امر اور موازین کے مطابق ہے اور عقل و شرع اہم مصالح کیلئے شہادت کو تجویز کرتے ہیں اور کیا مشکل ہے کہ شارع مقدس کسی کو شہادت کا فیض حاصل کرنے پر مامور کردے؟

آیات' اخبار اور کتب تاریخ سے رجوع کرنے سے پتا چلتا ہے کہ حصول شہادت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ اللہ کی طرف ایک رجوع ہونے والا اور اہم کام ہے۔ اور جو بھی کسب فیض شہادت اور قتل ہونے کیلئے جہاد پر جاتا ہے' اسکا عمل پسندیدہ ہے اور پیغمبر اکرمؐ خود ذاتی طور پر اس کام کی طرف تشویق دیتے تھے۔ شہادت کی تمنا اور شوق ان عظیم فضائل میں سے ہے کہ معصومین علیہم السلام کی ماثور دعاؤں میں وارد ہوئی ہے۔ اور ایمان والے مسلمان اس کے طالب رہے ہیں۔ ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ زمانۂ پیغمبرؐ میں عمرو بن جموع انصاری کے چار بیٹے پیغمبر اکرمؐ کے رکاب میں جہاد کرتے تھے وہ خود ایک پاؤں سے معذور ہونے کے باوجود شہادت کے آرزومند تھے۔ غزوۂ احد میں انکے بیٹوں نے چاہا کہ

انہیں جہاد میں شرکت کرنے سے منع کریں اور کہا خدا نے آپ کو معذور کیا ہے۔ عمرو رسولؐ خدا کے پاس آئے اور عرض کیا : میرے بیٹے مجھ کو جنگ میں شرکت سے منع کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم میں اپنے انہی لنگڑے پاؤں کے ساتھ بہشت میں جانا چاہتا ہوں۔ رسولؐ خدا نے انکے بیٹوں سے فرمایا :"ما علیکم ان تمنعوه لعلّ الله ان یرزقه الشهاده" تم لوگوں پر لازم نہیں کہ اسکے مانع ہو جاؤ جبکہ اللہ نے اسکے رزق میں شہادت دی ہے۔ عمرو نے ہتھیار سنبھالے اور کہا :"اللهم ارزقنی الشهادة و لامردنی الی اهلی خائباً"۔ خدایا شہادت کو میری روزی بنا اور مجھ کو میرے خاندان کی طرف ناامید مت لوٹا"۔

(سیرۂ ابن ہشام ج ۳، ص ۴۱۔۴۰، شرح نہج البلاغہ طبع مصر، ج ۳، ص ۳۷۴۔۳۷۵)

اگر شہادت اس کی روح کی تمنا نہ ہوتی تو پیغمبرؐ عمرو کو اجات نہ دیئے ہوتے۔

پیغمبر اکرمؐ نے امام حسینؑ سے فرمایا :

"ان لك درجةٌ عندالله لن تنالها الا بالشهادة"۔

"خدا کے ہاں تمہارے لئے ایسا مقام اور درجہ ہے جس پر تم نہیں پہنچو گے سوائے شہادت کے ذریعہ"۔

(نفایس الاخبار، ص ۲۱، بہ نقل از ابن شہر آشوب)

مرحوم سید بن طاؤس، لہوف میں لکھتے ہیں :

"شاید بعض تنگ نظر جو نہیں جانتے کہ شہادت کتنی عظیم سعادت ہے یہ گمان کریں کہ خدائے متعال ایسے شخص کو جو اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دے دوست نہیں رکھتا ہو۔ کیا ان کم ظرف لوگوں نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ خداوند عالم ایک گروہ کو حکم دیتا ہے کہ اپنے آپ کو قتل کریں جہاں یہ فرماتا ہے :

"فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذلکم خیر لکم عند بارئکم"۔

"توبہ کرو اور اپنے خدا کی طرف لوٹ آؤ اور اپنے آپ کو قتل کرڈالو کیونکہ یہ عمل خدا کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے"۔

شاید ان لوگوں کو گمان ہے کہ آیۂ شریفہ :"ولا تلقوا بایدکم الی التھلکه' خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہیں ڈالو" کا اشارہ شہادت اور راہ خدا میں مارے جانے کی طرف ہو' حالانکہ اس میں اشتباہ ہے "وانما التعبد به من ابلغ درجات السعادة" اور اگر انسان حکم خدا سے اپنے آپ کو قتل کیلئے پیش کرے تو سعادت کے بلند ترین درجات تک پہنچتا ہے۔

اور شہادت انسان کیلئے عظیم ترین سعادت ہے۔

(لہوف ص ۲۳' ترجمہ لہوت ص ۱۸۔۱۷)

امامؑ کا فرض یہ تھا کہ بنو امیہ کی خلاف قیام کریں اور یہ بھی جانتے تھے کہ بنو امیہ انہیں قتل کرینگے اور جانتے تھے کہ اگر یزیدی حکومت اسلامی معاشرہ میں بر قرار رہ گئی اور امامؑ جیسی ہستی اور دوسری شخصیتوں نے اگر خاموشی یا بیعت سے اسکی تائید کردی تو سب سے بڑی ضربت اسلام کے دل اور نظام اسلام پر لگے گی۔ امامؑ نے اختیار و علم کے ساتھ جان کا نذرانہ دیا۔ اور شہادت کا استقبال کیا۔

پس قیام امامؑ شہادت کیلئے تھا۔ نجات اسلام کیلئے تھا' معاشرہ کی بیداری کیلئے' بنو امیہ کو پہچنوانے کیلئے تھا' اور انسان کے تمام عالی مقاصد کیلئے ثمر بخش اور مفید تھا۔ اس کے باجوود کہ امامؑ کو اپنی فوجی اور سیاسی شکست کا یقین تھا وہ مطمئن تھے کہ اس قیام میں فتح ان کی ہو گی اور اپنا مقصد حال ہو جائے گا۔ اور ان کی کوشش وانکے باوفا اصحاب کی فداکاری' رائیگان نہ ہو گی۔

امام علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں صحابی رسولؐ "فروة بن مسیک

مرادی" کے اشعار خود پڑھے اور قطعی سند کے طور پر کہا کہ میں کامیاب ہوں اور اس مقدس قیام میں نتیجہ حاصل کرلوں گا۔

فان نهزم فهز امون قدما وان نهزم فغير مغلبينا

(لوگو! اگر آج ہم نے تم لوگوں کو شکست دے دی تو یہ ہماری عادت ہے۔ اور ہمیشہ سے اپنے دشمن کو شکست دیتے آرہے ہیں اور اگر ہم شکست کھا گئے اور بالآخر مارے گئے اور تم لوگ بظاہر ہم پر فتح پا گئے پھر بھی ہم مغلوب نہیں ہونگے اور دوسرے الفاظ میں اگر ہم نے تم کو مار دیا تو فتح ہماری آن سے ہے اور اگر ہم مارے گئے تو بھی فتح ہماری آن سے ہے)

ومااان صلبنا جبن ولكن منايانا ودولة آخرينا

(ہم کم ہمت لوگ نہیں ہے اور اگر ہم مارے گئے تو اس لئے نہیں کہ ہم لوگ کم ہمت تھے بلکہ اس لئے ہے کہ ہماری اجل پہنچ گئی ہے اور یہ ہماری شہادت وفداکاری کا دن ہے)۔

اذا ما الموت رفع عن اناس كلا كله اتاخ بآخرينا

(زمانہ ایسا ہی ہے کہ جب اپنے دبدبہ اور حملہ کو بعض لوگوں سے اٹھالیتا ہے تو دوسرے لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔ الغرض یہ کہ آج وہی دن ہے کہ زمانے نے ہم پر دباؤ ڈالا ہے)۔

فافنیٰ ذلكم سروات قومی كما افنى القرون الاولينا

(جس طرح ہم سے پہلے لوگ گزر گئے، آج بھی ہمارے اور ہمارے دوستوں کے گزر جانے کا دن ہے)۔

فلو خلد الملوك اذا اخلدنا ولو بقى الكرام اذا بقينا

(پس اگر دنیا کے بادشاہ زندہ رہتے تو ہم بھی چونکہ ملک وملکوت کے

پادشاہ ہیں زندہ رہتے اور اگر دنیا کے جوانمرد حیات ابدی کی راہ پالیتے تو دلیری اور جوانمردی کے لحاظ سے ابدیت کی راہ سب سے پہلے ہمارے لئے کھلی ہوتی)۔

غرض امامؑ تمام مراحل میں نتائج سے مطمئن تھے اور ظاہر ہے کہ فتح سوائے شہادت اور اسکا اجتماعی اثر، نقش اور خاصہ کے بغیر نہ ہوتی اور یہ ایک ایسا کاری ضرب تھا جو محکوم کرنے والا اور رسوا کرنے والا تھا جس نے نہ صرف یزید کو شیعوں کی نظروں سے جو خاندان رسالتؐ سے وفادار تھے گرایا بلکہ بنیادی طور پر حکومت کی طاقت کو طول تاریخ اسلام میں حتیٰ جو خلافت کے معتقد اور امامت کے خلاف تھے ان کی نظروں سے بھی گرایا، ہمیشہ کیلئے خوار اور رسوا بنایا۔

بعض لوگ امام حسینؑ کی شہادت کے آثار کی تردید کرتے رہے اور اسے ایک شکست خوردہ قیام کا نام دیتے ہیں۔ اور یہ بہت حیرت کا مقام ہے کہ کون سا جہاد اور کون سی جنگ اور فتح ایسی تھی کہ اسکے فتوحات نے اپنے دامن میں معاشرہ کی سطح، فکر و احساس کی گہرائیوں، طول زمان اور تاریخ کے ادوار کو سمو لیا ہو اور اس قدر وسیع اور عمیق اور پر ثمر ہو؟

امام حسینؑ اپنی شہادت کے بعد اور زندہ ہو گئے، اموی بد نہاد سمجھتے تھے کہ حسینؑ کو قتل کر چکے اور کام تمام ہو گیا لیکن بعد میں انہیں پتہ چلا کہ حسینؑ ان کیلئے موت کے بعد زندہ حالت سے زیادہ خطرناک ہیں۔ زینب کبریٰؑ نے بھی یزید سے یہی کہا تھا: تم نے غلطی کیا ہے "کد کیدك، واسع سعیك، ناصب جهدك فوالله لاتمحوا ذكرنا ولا تميت وحينا"۔

"تیرے پاس جو ہتھکنڈے ہیں بروئے کار لا لیکن اطمینان رکھ کہ تو ہمارے نام کو نہیں مٹا سکے گا اور ہمارے وحی کو خاموش نہ کر سکے گا اور

ہمارے کام ختم نہ کر سکے گا اور اس ننگ وعار کو اپنے دامن سے نہیں دھو سکے گا کیونکہ تیری عقل بیمار ہے اور تیری زندگی کی مدت قلیل ہے' تیرے گرد جمع پراکندہ ہونگے جس دن منادی ندا دے گا کہ ستمگاروں پر خدا کی لعنت ہے"۔

(لہوف ص ۷۷۔ بحار الانوار' ج ۴۵' ص ۱۳۵)

پس جس پہلو سے بھی دیکھتے ہیں امام حسینؑ کی شہادت کامیابی تھی نہ کہ شکست۔

معنوی جلوے

تحریک عاشوار کے عرفانی پہلو پر نظر ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم (حادثۂ عاشورا سے) قبل امامؑ کے بعض معنوی جلووں کی طرف نظر کریں تاکہ ان معنوی چنگاریوں کی لپک دیکھنے سے ہماری آنکھیں عاشورا کے دہماکہ کی عادی ہو جائیں۔ کیونکہ اس عظیم مرد میں وہ نور و حرارت اپنی زندگی بھر ذخیرہ کیا ہوا تھا اور عاشورا کے دن جو جلوگاہ معنویت تھا اُس نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ حسینؑ بن علیؑ صوفیوں اور جھوٹے عارفوں کی سوچ کے بر خلاف پہلے ہی سے عبادت اور اطاعت سے مانوس تھے اور مقام عبادت میں بہت خاضع اور خاشع تھے اور ہمیشہ قیامت کے دن کو خوف وہراس سے یاد کرتے تھے۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ :اے فرزند رسولؐ خدا آپ نے کیسے صبح کی ؟جواب میں فرماتے ہیں :

"اصبحت ولی رب فوقی والنار امامی والموت یطلبنی والحساب محدق بی وانا مرتھن بعملی لااجد مااحب ولا ادفع مااکرہ والامور بید غیری فان شاء عذبنی وان شاء عفاعنی فای فقیر افقر منی"۔

"اس حالت میں صبح کی ہے کہ میرا پروردگار میرے اعمال پر ناظر ہے اور آتش دوزخ میرے سامنے اور موت میرا تعاقب کر رہی ہے اور میرے

نامۂ اعمال طوق کی طرح میری گردن پر ہیں اور میں اپنے اعمال میں رہن ہوں۔ اپنی مرضی کی راہ نہیں پاتا اس سے میرا دم گھٹ رہا ہے۔ اس سے دفاع کرنے کی سکت نہیں اور امور دوسرے کے ہاتھ میں ہیں اگر چاہے تو مجھ پر عذاب نازل کر سکتا ہے اور اگر چاہے مجھ کو بخش سکتا ہے۔ پس کونسا فقیر مجھ سے زیادہ محتاج ہو گا؟"۔ (بحار الانوار ج ۸۷ ص ۱۱۶)

عاشورا اور معنوی جلوے

یہ بات پوشیدہ نہیں رہی کہ قہرمان عاشورا امام حسینؑ کی شخصیت کے مختلف پہلو ایک دوسرے میں گتھے ہوئے تھے اور آپ کی جامع شخصیت کو تشکیل دی۔ لہٰذا امامؑ کی شخصیت کو تنہا ایک پہلو سے جاننا انکے رخ زیبا پر ابہام کی دھول ڈالنا ہوگا اور نسبتاً ایک ناقص چہرہ دکھایا جائے گا۔

لہٰذا قہرمان عاشورا کے چہرہ کی زیبائی اس میں ہے کہ اسکے تمام ابعاد بشمول عرفان، حماسہ، اخلاق اور معاشرہ کی نشاندہی کریں۔ پس امام حسینؑ کی پر زیب اور جامع صورت عرفان و حماسہ، اخلاق اور معاشرہ سب کا آمیزہ ہے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ انکا حماسی پہلو عرفانی پہلو سے، یا اخلاقی پہلو انکے اجتماعی پہلو سے الگ ہو۔ مثلاً عرفان انسان کے عظیم فضائل میں سے اور حماسہ ظلم کے خلاف جنگ بھی انسان کے عالی فضائل میں سے ہے۔ اور دونوں امام حسینؑ کی شخصیت میں اوج کمال پر تھیں۔ امام حسینؑ کی دعاؤں میں سے مرحوم شیخ ابراہیم کفعمی (متوفی ۹۰۵) نے کتاب "البلد الامین والدرع الحصین" میں اسے نقل فرمایا ہے:

"اللهم منك البداء ولك المشية ولك الحول ولك القوة وانت الله الذى لا اله الا انت جعلت قلوب اوليائك مسكناً لمشيتك و ممكنا لا رادتك وجعلت عقولهم مناصب اوامرك ونواهيك فانت

اذا شئت ماتشاء حرکت من اسرارھم لوامن ماابطنت فیھم "

"اے پروردگار! خلقت کی ایجاد تجھ سے ہے اور ارادہ وقدرت تیرے ہاتھ میں ہے۔ اور تووہ خدا ہے جسکے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ تونے اپنے دوستوں کے قلوب کو اپنے ارادہ اور مشیت کا مرکز بنایا ہے۔ اور ان کی عقلوں کو اپنے اوامر ونواہی کا مقام اور پایہ قرار دیا ہے۔ اور جب بھی چاہتا ہے ان کے چھپے ہوئے رازوں سے جنہیں تو نے پوشیدہ کرر کھا ہے حرکت میں لاتا ہے۔ اور اپنے ارادہ کو اپنے اولیاء کی زبان پر جاری کر دیتا ہے اس طور کہ اُن کے ضمیر میں ادراک بخش دیتا ہے تو ان عقلوں کے ذریعہ تجھے پکارتے ہیں اور ان حقایق کے ذریعہ جو تو نے انہیں عطا فرمایا ہے۔ تیرے حضور دعا کرتے ہیں"۔

"اللھم وانی مع ذلك كله عائذٌ بك لائذ بحولك وقوتك راضٍ بحلمك الذی....."۔

"پروردگار! ان تمام صفات کے ساتھ تیری پناہ چاہتا ہوں اور تیری قدرت پر تکیہ کرتا ہوں اور ہر اس حکم پر راضی ہوں جو تو نے اپنے علم سے میرے بارے میں جاری فرمایا ہے۔ جس راہ پر تو مجھے چلائے میں چلنے پر راضی ہوں۔ اور میرے حق میں جو بھی تجھے منظور ہے میرا مقصود بھی وہی ہوگا۔ اور ہر اس علل سے جس میں تیری رضا ہے میں دریغ نہیں کروں گا' کیونکہ اس میں تیری رضا ہے۔ جن فرائض پر تو نے مجھے مامور کیا ہے حتی المقدور ان سے کوتاہی نہیں کروں گا۔ جس چیز کی طرف تو نے مجھے نشاندہی کی ہے میں جلدی کروں گا اور جس راہ پر تو نے مجھے ڈال دیا ہے چلتا جاؤں گا اور جو کچھ بصیرت عطا کی ہے میں دیکھ رہا ہوں

اور جس چیز کی طرف تونے میری توجہ مبذول فرمائی ہے متوجہ ہوں۔ خدایا مجھ کو اپنی توجہ اور عنایت سے دور نہ رکھ۔ اور مجھ کو اپنی حمایت کے دائرے سے خارج نہ کر اور مجھ کو تو اپنی طاقت سے محروم نہ رکھ۔ مجھ کو اس ہدف سے جس کا تونے ارادہ کیا ہے باہر نہ نکال۔ اور میری روح کو اپنی راہ ہدایت پر ثبات دے۔ اور مجھے صحیح راستہ پر ثابت قدم رکھ تاکہ مجھ کو میری آرزو و خواہشات تک پہنچادے اور جو کچھ میرے لئے ارادہ فرمایا ہے اور مجھ کو جس کیلئے خلق فرمایا مجھے عطا کر"۔ (کفعمی: بلد الامین)

اس دعا میں امام علیہ السلام کی بندگی و طاعت میں خلوص و جذبہ مکمل آشکار ہے۔ خدا پر توکل کرنا اور اسکی نصرت و عنایت کی امید رکھنا لڑائی میں روح کو تقویت بخشنے والا اور میدان جنگ میں ثابت قدم رکھنے والا ہوتا ہے اور بلندیٔ ایمان کی نشانیوں میں سے ہے اور یہ روحی خصلت امام علیہ السلام میں بہت ہی بلند سطح پر تھی۔

ابن عبد البر نے "استیعاب" میں اور ابن اثیر "اسد الغابہ" میں لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ شب و روز ہزار رکعت نماز بجالاتے تھے و ۲۵ دفعہ پیدل حج پر اور انکے ساتھی محمل کش تھے۔

ابن شہر آشوب "مناقب، ج ۴، ص ۴۸" میں لکھتے ہیں:

امام حسینؑ سے پوچھا گیا کہ: اس قدر خدا کے خوف کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: قیامت کے دن کوئی امان میں نہیں ہے مگر وہ جو دنیا میں خدا سے خائف رہے۔

"لا یامن یوم القیامة الا من خاف الله فی الدنیا"۔

انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا امام حسینؑ مکہ میں حضرت خدیجہ (س) کی قبر کے سرہانے آئے اور رونے لگے اور مجھ سے کہا: کہ اے میرے دوست! میں تنہا رہنا چاہتا ہوں۔ انس کہتے ہیں میں نے اپنے آپ کو ان کی

نظروں سے چھپایا۔ میں نے دیکھا وہ نماز پڑھنے لگے اور طول کھینچی ایک وقت میں نے ان کی مناجات کی آواز سنی جو کھ رہے تھے۔

یارب یارب انت مولاہ　　فارحم عبیداً الیك ملجاہ

یا ذالمعالی علیك معتمدی　　طوبیٰ بصبر کنت انت مولاہ

ومابہ علة ولا سقم　　اکثر من حبة لمولاہ

اذا اشتکی وغصة　　اجابہ اللہ ثم لباہ

اذا ابتلا بالظلام مبتهلا　　اکرمہ اللہ ثم ادناہ

اچانک میں نے سنا کہ غیبی آواز نے ان کو جواب اس طرح دیا:

لبیك لبیك انت فی کنفی　　و کلما قلت قد علمناہ

صوتك تشتاقہ ملائکتی　　فحسبك ا الصوت قد سمعناہ

دعاك عندی یحول فی حجب　　فحسبك السترقدسفرناہ

لوھبت الریح من جوانبہ　　خر سریعا لما تغشاہ

سلنی بلارغیة ولارھب　　ولا حساب انی انا اللہ

(مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۶۹)

لیکن جو چیز انسان کو امام حسینؑ کی خلوص عبادت و مرتبہ زہد اور آپ کی معرفت سے زیادہ آشنا بناتی ہے وہ وہی آنحضرتؑ کی عالمانہ اور عارفانہ دعا ہے اور وہ دعا امام حسینؑ کی بلندی مقام کو ہر چیز سے زیادہ نیّر و تابان کرتی ہے۔ امام نیایش (دعا از روئے تضرع وزاری) میں انسان کا خدا سے سب سے زیادہ منطقی اور حقیقی رابطہ کو واضح کرتے ہیں۔

بُعدِ عرفانی

قیام حسینی کے پہلوؤں میں سب سے اساسی ان کا حق کی راہ میں عرفانی اور

پاکبازی کا پہلو ہے اور ان توحیدی و عرفانی اور راہ خدا میں جانبازی کے پہلوؤں کی نشاندہی اور یہ ماسوائے اللہ سب کو ہیچ سمجھتے تھے۔ شاید امامؑ کے وہی دو جملے جو مکہ میں آپ نے سب سے خطبہ میں بیان فرمایا ہے کافی ہوں۔ اور وہ جملے اس طرح ہیں: "رضی اللہ رضانا اھل البیت نصبر علی بلائہ ویوفینا اجرالصابرین"۔

"ہم اہل البیت اپنی طرف سے پسند و مرضی عین رکھتے ہیں بلکہ جس سے خدا خوشنود ہے ہمارا گھرانہ بھی اسی سے خوش ہوتا ہے یعنی جو کچھ خدا ہمارے لئے پسند کرتا ہے ہم کو وہی پسند ہے۔ اور جو بلائیں خدا کی طرف سے ہیں ہم ان پر صبر کرتے ہیں وہ خدا صابروں کے اجر و ثواب مکمل طور پر عطا کرتا ہے"۔ (لہوف: ص ۲۵، کشف الغمہ ج ۲، ص ۲۹ بحار)

امام باقر علیہ السلام جناب جابر بن عبداللہ انصاری صحابی رسولؐ خدا کے دیدار کیلئے گئے اور فرمایا: "کیف اصبحت یا جابر؟ فقال اصبحت والموت احب الی من الحیاۃ والفقر احب الی من الغنی والمرض احب الی من الصحۃ"۔

"اے جابر! کیا حال ہے؟ عرض کیا اے فرزند رسولِؐ خدا میں اس حالت میں ہوں کہ موت کو زندگی پر اور بیماری کو تندرستی پر اور فقر کو غنا اور تونگری پر ترجیح دے رہا ہوں"۔

امامؑ نے فرمایا: اگر یہی سوال تم مجھ سے کرتے تو میں جواب دیتا:

"ان قدرت لی الحیاۃ فھی احب الی وحین یقدر الموت فالموت احب الی وان قدر لی الفقر فالفقر احب الی وان قدر لی الغنی فھو احب الی وان قدر لی المرض فھو احب الی وان قدرت الصحۃ فھی احب الی"۔

"اگر خداوند عالم حیات و زندگی کو میرے لئے مقرر کئے ہوتا تو اسے زیادہ

دوست رکھتا اور اگر موت کو میرا مقدر بنایا ہوتا تو اسے زیادہ دوست رکھتا ہوں اور اگر فقر و ناداری کو میری تقدیر بناتا تو اسی کو زیادہ دوست رکھتا اور اگر توانگری کو مقدر کرے تو توانگری کو زیادہ پسند کروں گا اور اگر بیماری کو مقدر کرے تو اسی کو زیادہ دوست رکھوں گا، یعنی میری اپنی کوئی پسند نہیں ہے۔ جس طور خدا پسند کرے اسی کو پسند کرتا ہوں۔ اور جس طور پر خدا کی مصلحت چاہے وہی میرے لئے اچھا ہے"۔

جیسے ہی امام باقرؑ کا کلام اس جگہ پہنچا، جابر اپنی جگہ سے اٹھے اور امام باقرؑ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا: "اشهد انك وارث النبوة وباقر العلم حقاً"۔ "گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ وارث نبوت اور یقیناً علم کو شگافتہ کرنے والے ہیں"۔ (خواجہ نصیر الدین طوسی، اخلاق محتشمی، باب ۱۱، ص ۱۱۲ ح ۲۳)

باہوایش در تموز و دی خوشیم　　　ماہیٔ آبیم و مرغ آتشیم

عرفان اہل بیتؑ کے مطابق آدمی اس مقام پر کھڑا ہے جہاں خدائے تعالیٰ اسکے لئے ارادہ فرما چکا ہے۔ نعمت و نقمت صحت و مرض اچھا و برا جو بھی اسکی پسند کا اور جس سے کہ وہ خوش اور راضی ہے اور یہ اس کی زبان حال ہے:

گر آسودہ ور مبتلامی پسندد　　　پسندیدم آنچہ خدامی پسندد

(میں نے اسی کو پسند کیا ہے جو خدا نے پسند کیا، اگرچہ آسودہ پسند کرے یا مبتلا پسند کرے)

چرا دست یازم و چرا پائے کوبم　　　مرا دوست بی دست و پا می پسند

(مجھ کو بے دست و پا دوست پسند کرتا ہے، کیوں میں ہاتھ پیر ماروں)

ابا عبداللہ الحسینؑ کے آخری کلمات میں بھی پھر ہم انہی مفاہیم کی انعکاس دیکھتے ہیں کہ جب آخری تیر ان کے سینہ پر لگا اور گھوڑے سے زمین پر گرے اسی

حال میں عرض کیا:

"الهی رضاً بقضائك وتسليماً لأمرك' لا معبود سواك يا غياث المستغيثين"۔

"بار الہا! تیری قضا پر راضی ہوں اور تیرے حکم پر سر تسلیم خم کرتا ہوں' تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اے بے پناہ لوگوں کی پناہگاہ"۔

در دائرہ قسمت ما نقطۂ تسلیمیم لطف آنچہ تو اندیشی و حکم آنچہ تو فرمائی

اور جب اپنی آخری سانس کو تسلیم حق کر رہے تھے عرض کیا:

"پروردگارا! تو قریب ہے جب تجھے پکارا جائے اور جو کچھ خلق کیا ہے اس پر احاطہ رکھتا ہے اور اس شخص کی توبہ کو قبول کرتا ہے جو تیری درگاہ میں توبہ کیلئے ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اور تو جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے۔ تجھے پکار رہا ہوں اس حالت میں کہ تیری شدید ضرورت ہے۔ اور مجھے تیری جستجو ہے اس حالت میں کہ میں تہی دست ہوں اور تیری پناہ میں آرہا ہوں اس حالت میں کہ میں ہراساں ہوں"۔

جس وقت امام حسینؑ یہ بات کر رہے تھے' اس حال میں خدا سے کہنا چاہتے ہیں کہ میں ان تمام مصائب سے جنمیں گرفتار ہوں خوش ہوں' ناراض اور دل تنگ نہیں ہوں۔ اسلئے کہ میرا مقصود محض تیری رضا ہے۔

روز عاشورا آخری وداع میں امام حسینؑ نے اہل بیتؑ کو قضائے الٰہی پر رضا اور تقدیر اور پروردگار کی مشیت کو تسلیم کرنے کی دعوت فرمائی اور اپنی بیٹی سے فرمایا "فاصبری علی قضاء الله ولا تشتکی فان الدنیا فانیه والآخرة باقیه"۔

"میری بیٹی قضائے الٰہی پر صبر کرو اور زبان پر حرف شکوہ نہ لانا کیونکہ دنیا فانی اور آخرت باقی رہنے والی ہے"۔ (موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ، ص ۴۹۰)

امام صادق علیہ السلام سے ایک حدیث ہے کہ سورۂ فجر کو ہر واجب اور مستحبی نماز میں پڑھئے کیونکہ میرے جد حسین علیہ السلام کا سورہ ہے جو شخص اس کو پڑھے گا قیامت کے روز حسین علیہ السلام کے ساتھ بہشت میں ہوگا۔

(مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۴۸۱)

اس سورہ کو سورۂ حسینؑ بن علیؑ کے عنوان سے متعارف کرنا اس لحاظ سے ممکن ہے کہ اس سورہ کی آخری آیات میں واقع نفس مطمئنہ کا روشن مصداق حسینؑ ابن علیؑ اس مقام پر ہیں جہاں آپؑ نے فرمایا:

"یا ایتھاالنفس المطئنة ارجعی الی ربك راضیةً مرضیه فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"۔

"تو اے مطمئن روح اپنے پروردگار کی طرف لوٹ اس حال میں کہ تو بھی اس سے راضی ہے اور وہ بھی تجھ سے راضی ہے اور میرے بندوں کی صف میں داخل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جاؤ"۔

جی ہاں اگر تحریک عاشورا کی معرفت چاہتے ہیں کہ عرفانی روش سے استفادہ کیا جائے کتاب وسنت اور سیرت اہل بیتؑ پر مبنی عرفانی طریقت ہونی چاہئے نہ التقاطی اور نہ صوفیانہ عرفان جو اس عظیم حادثہ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔

عرفان التقاطی میں سالک جب حقیقت تک پہنچتا ہے تو عبادت وبندگی سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور نماز اور دوسری عبادات کے قریب تک نہیں جاتا ہے۔

عرفان التقاطی میں "شریعت" سالک کیلئے کمال تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ اور جب سالک کمال وشہود ووصول کے مرتبہ کو حاصل کر کے حق تک پہنچ جاتا ہے تو شرعی فرائض اس پر ساقط ہو جاتے ہیں اسی لئے لکھتے ہیں کہ "احکام شریعت کا پابند رہنا عوام کا فرض ہے اور خواص اہل حقیقت کا مرتبہ اس سے بلند تر ہے کہ

ظاہرہ رسوم کے مقید وپابند رہیں۔

خدارایافتم دیدم حقیقت　　برون رفتم من از قید شریعت

(مجھ کو خدا مل گیا حقیقت دیکھ لیا قید شریعت سے میں باہر نکل آیا)

لیکن خالص شرعی سیر وسلوک میں سالک کیلئے ہر حال میں اور جس مرحلہ و مقام میں بھی ہو آداب شریعت کی مراعات واجب ولازم ہے اور کسی بھی حالت اور مقام میں اس پر فرائض ساقط نہیں ہوتے۔ جس کی روشن مثال کربلا کی جلوہ گاہ میں دیکھتے ہیں۔

نویں محرم الحرام کو کوفی لشکر نے جب امام حسینؑ کے گرد گھیرا ڈال دیا اور عصر کے وقت امامؑ اور ان کے خیام پر حملہ آور ہوئے اور کہا: اسی وقت 'اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کریں یا مرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ تو اپنے بھائی عباسؑ کو انکے پاس یہ کہہ کر بھیجا آج رات کیلئے ان سے مہلت لے لیں کیونکہ آج کی رات ہم چاہتے ہیں کہ نماز اور استغفار میں گزاریں۔

امام حسینؑ اور انکے اصحاب شب عاشورا کو نماز واستغفار اور درگاہ الٰہی میں تضرع کرنے میں مصروف رہے۔"وبات الحسینؑ واصحابه طول لیلتهم یصلون ویستغفرون ویتضرعون"۔ عاشور کی رات امامؑ اور انکے اصحاب کی اپنے رب سے مناجات' راز ونیاز اور نماز کی شب تھی' اس طرح کہ خیموں سے قرآن کی تلاوت ودعاو نماز اور تضرع وزاری کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سی سنائی دیتی تھی۔(بحار الانوار' ج ۴۵ ص ۳)

"لهم دوی کدوی النحل وهم مابین راکع وساجد وقاری للقرآن"۔

"امامؑ نے صبح عاشورا اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھ لی تو ان کی چھوٹی صفیں ترتیب دیں اور فرمایا: اے فرزندان عظیم! صبر واستقامت کو اپناؤ

'موت ایک پل کی طرح ہے کہ اس سے گزرے اور بہشت میں داخل ہو جاؤ گے"۔(حیاۃ الامام الحسینؑ' ج ۳'ص ۱۷۵)

"صبراً بنی الکرام فما الموت الا قنطرة تعبربکم عن الیوس و الضراء الی الجنان الواسعة"۔

اس کے بعد ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور ہاتھوں کو خدا کی درگاہ میں بلند کیااور کہا :"اللھم انت ثقتی فی کل کرب وانت رجائی فی کل شدة وانت لی فی کل حل حال "۔

"خدایا ہر مصیبت میں مجھے تجھ پر بھروسہ ہے اور ہر سختی میں میری امید تو ہے کتنے ایسے مصائب ہونگے جو دل کو کمزو اور آدمی کو بے چارہ بنادیتے ہیں۔ دوست اسکو تنہا چھوڑ جاتے ہیں اور دشمن اسکے ملامت کرتے ہیں اور اس وقت تو ہی ہے جو اسکا دل رکھتا ہے اور غم واندوہ سے نجات بخشتا ہے۔ اور اسکے دشوار کام کو کفو کرتا ہے"۔(بحار الانوار : ج ۴۵'ص ۴)

ظہر کے وقت "ابو ثمامہؓ" صاعدی نے عرض کیا : اے فرزند رسولؐ میری جان آپؑ پر قربان' یہ لوگ ہم سے نزدیک ہو گئے ہیں اور ہماری زندگی سے اب کچھ باقی نہیں رہا۔ لیکن خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں آپؑ پر آنچ نہ آنے دوں گا۔ اب یہ ظہر کا وقت ہے میں چاہتا ہوں یہ نماز آپؑ کے ساتھ پڑھوں پھر اللہ سے ملاقات کا عزم کروں۔

امامؑ نے آسمان کی طرف نگاہ کیااور کہا : ہمیں نماز کی یاد دلائی' خدا تمہیں نماز گزاروں کے ساتھ محشور کرے۔

"ذکرت الصلوة جعلك الله من المصلین الذاکرین 'نعم هذا اول وقتها"۔

اس وقت فرمایا نماز حالت جنگ کے دستور کے مطابق اور دشمن سے خوف

کے وقت پڑھیں دیکھئے یہ کیسی نماز تھی ایسی نماز جس میں تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن امام حسینؑ اور انکے اصحاب اپنے حال میں غرق تھے۔ایک فرنگی کہتا ہے "کیسی پر شکوہ نماز پڑھی حسینؑ بن علیؑ نے ایسی نماز جس کی دنیا نظیر نہیں لا سکتی"۔
(نقل شہید مطہریؒ حماسۂ حسینیؑ ج۱،ص ۲۹۷)

اپنے مقدس چہرے کو گرم ریتی پر رکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں :"بسم الله و بالله وعلى ملة رسول الله (ص) "۔(بحار الانوار ج ۴۵،ص ۵۳)

یہ جگہ ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور پوچھتی ہے کہ : کیا دنیا میں پروردگار کے نزدیک حسینؑ کے مقام و منزلت سے بڑھ کر کوئی مقام پا سکتا ہے اور کیا کسی نے اس راہ میں ایسی فداکاری دکھائی جیسی کہ حسینؑ نے جانبازی اور خود فراموشی کی مثال پیش کی ہے ؟ کیا کسی نے ایسی کوئی نماز پڑھی ہے جیسی کہ حسینؑ اور انکے اصحابؓ نے عاشورا کے دن کربلا کے تپتے صحرا میں پڑھی ؟؟؟؟

اگر عبادت عام حالات میں اس قرب کی سیڑھی ہے اور نماز تعالیٰ اور بلندیٔ روح اور معراج مومن ہے۔ تو یہ نماز جو امام حسینؑ نے عاشورا کی دن پڑھائی کیا عجیب خاصیت اور کیسی حیرت انگیز اثرات رکھتی ہو گی ؟

عصر حاضر کے مؤرخین میں سے ایک لکھتا ہے :
"نماز مسلمین کیلئے سکون قلب اور روح کی تقویت اور قوت ارادہ ہے' نماز سختیوں اور مصائب میں دل کیلئے سب سے زیادہ تسلی بخش ہے۔ اسلام نے دستور دیا ہے کہ روزانہ پانچ دفعہ نماز پڑھے۔اسکے علاوہ زلزلہ یا سورج و چاند گرہن اور ہر خوف کے وقت بھی نماز پڑھ لے۔اکثر راہ حق کے شہداء نے شہید ہوتے وقت نماز پڑھی اور انکے دل کو آرام ہو گیا' اور اطمینان قلب کے ساتھ جان دیدی۔

اس کے بعد کہتا ہے :

حسینؑ نے ظہر عاشورا میں ایک جگر سوز نماز پڑھی کہ کہہ سکتے ہیں کہ پتھر دلوں میں بھی آگ لگادی۔(بنا نقل مرحوم راشد، سخن رانی ہائے راشد از ریڈیو تہران :ج ا،ص ۳۶۲)

اسی نماز میں ان کے کئی صحابی شہید ہو گئے۔ ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے تحریک حسینی ایک عرفانی اور خالصاًللّٰہ تحریک ہے۔ صرف اور صرف حسینؑ ہیں اور ان کا خدا ہے۔ گویا کوئی اور دوسری چیز درمیان نہیں۔ صبح عاشورا سے سیدا لشہداءؑ اپنے اصحابؓ اور جوانوں کی حفاظت کر رہے تھے اور ان میں سے جو بھی دشمن میں گھر جاتا تھا خود امام یا انکے بھائی عباسؑ ان کی مدد کیلئے دوڑتے تھے۔ اور جو شہید ہو جاتا تھا تو ان کے اجساد کو اٹھا کر لے آتے تھے۔ پس جب ان میں سے کوئی باقی نہ رہا تو خود دفاع کرنے لگے اور رجز پڑھتے تھے اور ایسی شجاعت کا آپؑ سے مظاہرہ ہوا کہ دوست اور دشمن کی نظر میں مورد تحسین قرار پائی۔ جب لشکر انکی طرف یورش کرتا تو انکے حملہ کو پسپا کر دیتے تھے اور پھر خیموں کے پاس کھڑے ہو کر کہتے تھے : ”موت ذلت سے بہتر ہے“۔ کہتے تھے میں اپنے باپؑ کی عیالات (راست گوئی حق پرستی) کی حمایت کرتا ہوں اور اپنے ناناؐ کے دین پر مروں گا۔ کہتے تھے : میرا افتخار یہی کافی ہے کہ میں پاک لوگوں کی اولاد ہوں۔ میں تن تنہا تم لوگوں سے جنگ کر رہا ہوں اگر میں نے تمہیں شکست دیدیا تو میرے لئے کوئی فخر کی بات نہیں اور اگر میں مارا جاؤں تو میں مغلوب نہیں ہوں۔ میں ہر حال میں فاتح ہوں۔ اور جب گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکے تو پیدل جنگ کرنے لگے اور جب پیادہ بھی جنگ کرنے کی سکت نہ رہی تو دوزانو ہو کر گھٹنوں کے بل حرکت کرتے تھے اور دشمن کو خیام طاہرات کی طرف بڑھنے سے روکتے تھے اور فرماتے تھے ”اے

لوگو! اگر دیندار نہیں ہو تو کم از کم جوانمرد بنو"۔

عاشورا کے دن جب ان کے قلب نازنین پر زہر آلود تیر لگا اور خون کا فوارہ نکلنے لگا آسمان کی طرف سر اٹھایا اور زیر لب فریاد کی :"اللھم انك تریٰ مایصنع بولد نبیك"۔ "اے خدا بے شک تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے نبیؐ کے فرزند کے ساتھ کیا کر رہے ہیں"۔(بحار الانوار ج ۴۵، ص ۱)

ابن سعد کے سپاہی کہتے ہیں : جس قدر حالات حسینؑ کیلئے سخت ہوتے جاتے تھے ان کے قدم اسی قدر ثابت اور ان کے چہرے کی دمک بڑھتی جاتی تھی۔ ان میں سے بعض لوگ جنہوں نے حسینؑ کو جان دیتے وقت دیکھا کہتے ہیں کہ : "فوالله مارأیت قط قتیلاً مضمخاً بدمه أحسن منه ولا انور وجهاً ولقد شغلنی نور وجهه وجمال هیئة عن الفکرة فی قتله"۔

"خدا کی قسم ہر گز اپنے خون میں غلطان کسی مقتول کو ان سے بہتر اور زیادہ خوبرو نہیں دیکھا تھا انکے چہرہ کا نور اور صورت کی زیبائی اس حد تک تھی کہ ان کو شہید کرنے کا خیال ترک کر دیا۔"(لہوف، ص ۸۶)

امام حسین علیہ السلام میں ایک ایسا ایمان و حقیقت تھے کہ جتنی زیادہ مصیبت ان کو پہنچتی تھی وہ ایمان و حقیقت اور زیادہ آشکار ہوتے جاتے تھے۔ اور جب شہید ہو گئے تو وہ زیادہ نمایاں ہو گئے۔ جو لوگ کہ حسینؑ کے چہرہ کی تابانی پر تعجب کرتے ہیں ان سے کہنا چاہئے کہ یہ چہرہ ان کی شہادت کے بعد زیادہ روشن درجات پر پہنچا۔ حسینؑ کا چہرہ ان کا عقیدہ اور حقیقت ہیں کہ بعد میں دنیا میں زیادہ درخشان اور تابان ہو گئے اور جیسے جیسے زمانہ گزرتا جاتا ہے اور زیادہ روشن ہوتا اور دمکتا جائے گا۔

یہ کیسی عظمت روح اور عالی فطرت اور عزت نفس کی حیرت انگیزی ہے جو

اس مردالٰہی سے ظاہر ہوئی۔ امامؑ کی روح کی عظمت' ایمانی ہدایت کا اندازہ لگانے کیلئے یہی کافی ہے کہ ان کے کلام جو شب وروز مختلف مناسبتوں سے بیان کئے ہیں اور حیرت انگیز کام جو مختلف جگھوں پر انجام دیئے ہیں ان پر نظر کریں کہ آیا ایسے کلام اور اعمال وہ بھی ان سخت طوفانی حالات میں فرزند زہراء (س) حسینؑ بن علیؑ کے علاوہ کوئی دوسرا کہہ سکتا ہے اور انجام دے سکتا ہے۔

ٹامس مین جرمن مفکر کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ اور حضرت حسینؑ کی فداکاری کا مقایسہ کیا جائے تو ضرور حسینؑ کی فداکاری زیادہ پر مغز اور زیادہ قدر ومنزلت کی جلوہ نمائی کرے گی کیونکہ مسیح (ع) جب فدا ہونے کیلئے تیار ہوئے تو ان کے زن وفرزند نہ تھے کہ ان کی فکر یہ ہوتی کہ آپؑ کے بعد وہ کن حالات سے دوچار ہوں گے لیکن حسینؑ کے بال وبچے تھے اور ان میں سے بعض کم سن شیر خوار تھے اور اُنھیں باپ کی ضرورت تھی۔ جو شخص باپ ہو وہ جانتا ہے کہ ایک باپ کیلئے اپنے آپ کو فدا کرنا بہت آسان ہے اس سے کہ اپنے اولاد کو فدا کرے۔ اور ایک ایسا باپ جو خود فدا ہونا چاہتا ہے اس کی خواہش یہ ہے کہ اسکے چھوٹے بچے بھی اس کے ساتھ مارے جائیں تاکہ اس کے بعد وہ فلاکت کا شکار نہ ہوں۔

اور یہ ایک فطری بات ہے کہ ہر باپ کوشش کرتا ہے کہ اپنے بچوں کیلئے کچھ پونجی جمع کرے تاکہ اس کی موت کے بعد اسکے بچے بے سہارا اور زندگی کی مشکلات میں نہ پڑ جائیں۔

امام حسینؑ نے اپنے جہاد میں فداکاری کے دائرہ کو بہت وسیع عاشقانہ میدان بنایا جس میں انکے کمسن بچوں اور بے سہارا عورتوں کو بھی اس حلقۂ فداکاری میں داخل کیا۔

کوت فرشلر : ''امام حسینؑ اور ایران'' نامی کتاب کا مؤلف کہتا ہے :

مسیحیوں کے درمیان جو شہید ہو گئے ہیں ان میں سے صرف ایک شخص کو پیدا کر سکے جو ابتلاء کے دوران اپنے پیشوا کی یاد میں تھا اور اس لحاظ سے امام حسینؑ سے شباہت رکھتا ہے اور وہ سیک نوس دوم پاپائے اعظم روم تھا۔ "والرین" جب ملک میں مقام امپر اطوری تک پہنچا تو اس نے مصمم ارادہ کیا کہ مسیحیوں کا جڑ سے خاتمہ کر دے گا۔ "والرین" نے تمام مسیحی روحانیوں کو قتل کیا لیکن پاپائے اعظم کو زیر نگرانی رکھا تاکہ اُنھیں سخت ترین اذیت دے کر قتل کرے اور حکم دیا کہ زندہ حالت میں اس کی کھال کھینچ لی جائے۔ اور جب جلاد شکنجے میں کس رہا تھا پاپائے اعظم نے نالہ کرتے ہوئے کہا: اے عیسیٰؑ مسیح اس شکنجہ سے راضی ہوں کیونکہ یہی وسیلہ بنا کہ آپکے فکر میں ہوں۔ آپ کے بارے میں زیادہ سوچتا ہوں۔ والرین جس نے پوپ کو اس طرح بے رحمی سے قتل کیا تھا اس کے بعد جب شاپور اوّل سے جنگ کرنے گیا تو خود بھی اسی طرح ان تمام مجازات کے ساتھ قتل ہوا۔

البتہ "کوت فرشلر" اس تشبیہ میں غلطی کا مرتکب ہوا ہے اور اگر پاپائے اعظم کو امامؑ کے کسی باوفا فداکار صحابی سے تشبیہ دیتا تو زیادہ مناسب تھا کیونکہ وہ سب جان دیتے وقت امامؑ کی فکر میں تھے۔ مثال کے طور پر مسلم بن عوسجہؓ اور حبیب ابن مظاہرؓ کوفہ کی دو عظیم ہستیاں جن کا شمار عُباد اور زہاد میں سے ہوتا تھا اور علی علیہ السلام کے صحابیوں میں سے تھے۔ مسلمؓ حبیبؓ سے پہلے شہید ہوئے۔ شہید ہونے سے قبل جب ان میں تھوڑی جان باقی تھی تو حبیبؓ انکے سرہانے آئے، شہادت کی مبارک باد دی، پھر کہا: اگر مجھے پتا ہوتا کہ تمہارے بعد میں زندہ رہوں گا تو تم سے کہتا کہ جو بھی وصیت ہو کہو تاکہ انجام دے دوں لیکن جانتا ہوں کہ انہی لمحات میں تم سے آملوں گا۔ مسلمؓ نے کہا: تمہیں حسینؑ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ جب تک تم زندہ ہو ان کے دفاع میں سستی نہ برتنا۔

سید ابن طاؤوس کہتے ہیں : اصحاب امامؑ میں سے ایک عمرو بن قرظہ تھے جو ہمیشہ امامؑ کے ساتھ چلتے تھے اور جیسے ہی کوئی تیر امامؑ کی طرف آتا اپنے ہاتھ کو سپر بنایا اور تلوار کا ہر وار اپنی جان پر لیا اور جب تک جان تھی امامؑ کو کوئی گزند نہ پہنچنے دیا اور جب قدم نہ سنبھل سکے تو سالار شہیدان اباعبداللہ الحسینؑ کی طرف رخ کیا اور کہا : آیا میں نے وفا کیا ؟ امامؑ نے فرمایا : ہاں ! تم بہشت میں بھی ہمارے سامنے ہو گے۔ (ترجمہ لہوف : ص ۷۰۔۶۹)

بُعد حماسی

لفظ "حماسہ" کا معنی "دلیری، شجاعت" اور جوانمردی ہے۔

شعر حماسی، اس شعر کو کہتے ہیں جس سے غیرت و شجاعت اور مردانگی پھیلتی ہے۔ ایسا شعر جو روح کو حرکت میں لائے اور اس میں جوش اور ولولہ پیدا کر دے اور اگر نثر میں بھی یہی خصوصیات ہوں تو اس کو حماسی نثر و سخن کہتے ہیں بعض واقعات، داستانیں اور نظمیں بھی حماسی پہلو رکھتے ہیں اور بعض شخصیتیں بھی حماسی شخصیت ہوتی ہیں اور وہ روح حماسی رکھتے ہیں۔

اگر امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اور حادثہ عاشورہ کا حماسی نگاہ سے مطالعہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ کی شخصیت اور انکی سرگزشت، ان کا سخن اور ان کا عمل، انکا حادثہ حماسی اور ہیجان برپا کرنے والے ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ دوسری حماسی شخصیتیں اپنی قومی، نژادی اور علاقائی نوعیت کی ہوتی ہیں۔

لیکن امام حسینؑ کا حماسہ قومی، نژادی اور ملی پہلو نہیں رکھتا اور کسی مخصوص قوم، منطقہ اور نسل سے متعلق ہے۔ انکا حماسہ، انسانیت کا حماسہ اور بشریت کا حماسہ ہے، نہ اشراف کا حماسہ ہے اور نہ ہی ملی حماسہ ..... پس انکا حماسہ تمام حماسوں سے بالاتر اور مافوق ہے۔

آپ دنیا مین حسینؑ بن علیؑ جیسی ایک حماسی شخصیت خواہ قدرت و قوت حماسہ کی نظر سے، خواہ ایک حماسۂ انسانی ہونے کے لحاظ سے پیدا نہیں کر سکتے اور اسی لئے کہ حماسۂ حسینی کی دوسرے حماسوں، سے شناخت ہو سکے اس کو "حماسۂ مقدس" سے عبارت کرتے ہیں۔ شہید استاد مطہریؒ حماسۂ حسینی کے بارے میں کہتے ہیں : جن حدود میں میں نے حسین کی شناخت کی اور ان کی زندگی کے تاریخچہ کو پڑھا ہے اور ان کے کلام افسوس کہ بہت کم ہمارے ہاتھ لگے، لایا اور ان حدود میں تاریخ عاشورا کا مطالعہ کیا جہاں یہ درست ہے اور حسینؑ کے خطبات، نصائح اور شعار پر غور کیا، میں یوں کہہ سکتا ہوں کہ میری نظر میں حسینؑ کی پوری شخصیت حماسہ ہے، شور ہے، عظمت ہے، صلابت ہے، شدت ہے، پامردی ہے اور حق پرستی ہے۔ (حماسۂ حسینی، ج ۱ ص ۱۴۹۔۱۴۸)

جی ہاں! حسین علیہ السلام کا یزید کی ڈکٹیٹری حکومت کے مقابل میں تمام مراحل میں مقابلہ کرنا خاص کر، روز عاشورا اپنی شہادت تک ایسی مردانگی اور شجاعت اور حماسہ کے ساتھ جنگ لڑی کہ سب لوگ حیران و متعجب تھے۔ بغیر کسی مبالغہ کے کوئی بھی توانا قلم، اور فصیح زبان اس کو بیان نہیں کر سکتا ہے۔ جب امام حسینؑ اپنے اہل و عیال اور اصحاب کے ساتھ لشکر ابن زیادہ کی سخت گھیراؤ میں تھے اور ہر لحظہ اسکا خوف کیا جارہا تھا کہ ایک وحشیانہ حملے سے انکا کام تمام کر دیں گے۔ اس وقت جب تیس ہزار مسلح فوجیوں کی تلواروں کی چمک آنکھوں کو خیرہ اور دلوں کو لرزا رہی تھی، جب پیاس کی شدت نے امامؑ اور ان کی عورتوں اور بچوں کے تمام وجود کو پگھلا دیا تھا جب خیموں سے انکے اہل و عیال کے دلخراش آہ و نالہ امامؑ کے محبت بھرے قلب کو لرزا رہے تھے، جب اپنی بیٹیوں اور عورتوں اور ناموس کی یہ فکر کہ چند گھنٹے بعد اس وحشی قوم کے اسیر بن جائینگے امام علیہ السلام

کے دل کو چاک کر رہی تھی۔ اس وقت جب اپنے عزیزوں کی شہادت اور ان کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوئے سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بہت سے دوسرے ..... امامؑ نے ایسی وحشت کو جنم دینے والے حالات میں جو ہر ایک مردوں کو پچھاڑ دینے والے پہلوان کو کمزور کر دیتے ہیں' اور ہر شیر دل کے زانو خم کرا دیتے ہیں اور دشمن سے عجز و ناتوانی کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسے عظیم طوفان اور ہمہ گیر بلا میں کہتے ہیں "هيهات منا الذله" . (ہم ہر گز ذلت کو قبول نہیں کرینگے)۔ اور کہتے ہیں "لا والله لا اعطيكم بيدى اعطاء الذليل ولا افر فرار العبيد" (نہیں خدا کی قسم میں ذلت کا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا اور نہ ذلیل غلاموں کی طرح بھاگوں گا)"۔

مرا عار آید از این زندگی کہ سالار باشم کنم بندگی

(یہ زندگی میرے لئے ننگ و عار ہے جو سالار ہوتے ہوئے بندگی کروں)

"هيهات منّا الذلة" (ذلت ہم سے دور ہے) کا یہ جملہ حسینؑ بن علیؑ کا عاشورائی نعرہ ہے۔ اور دنیا کے تمام آزاد لوگوں کا نعرہ ہے۔ جو ظلم سے نہیں دبتے اور ظالموں کے تسلط کو تسلیم نہیں کرتے۔

تحریک امام حسین علیہ السلام کی محکمات میں سے ایک ان کا صاحب عزت ہونا اور دشمنوں کے مقابل عزت نفس کی حفاظت تھی۔ اور امامؑ نے اپنے رفتار میں اس اصول پر ڈٹے رہے۔ روز عاشورا اپنے کسی خطبہ میں کوفیوں کو شدید ملامت کے ضمن میں فرمایا:

"الا وانَّ الدعى ابن الدعى قد تركنى بين السلة والذلة وهيهات له ذلك هيهات منا الذلة ابى الله ذلك ورسوله والمؤمنون وجُدود طهرت وحجور طابت ان نؤثر طاعة اللئام على مصارع الكرام'

الا وانی زاحف بھذہ الاسرۃ علی قلۃ العدد و کثرۃ العدوّ.....“۔

”جان لو! اس حرام زادہ فرزند حرام زادہ نے مجھ کو دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے ایک راہ تلوار کی اور دوسری ذلت کی ہے اور ہم ہر گز ذلت وخواری کو قبول نہیں کرینگے خدا اور اس کے پیغمبرؐ اور مؤمنین اور ہماری (ماؤں کے) پاک دامن اور پاک طینت باپ اسکے روادار نہیں کہ ذلت کا لباس پہن لوں اور ذلت کو قبول کرنے اور خوار وذلیل ہونے کو ہمارے لئے پسند نہیں کرتے ہیں۔ شرافت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔ میں اپنے قلیل اصحاب کی معیت میں دشمن کے کثیر لشکر سے جنگ وجہاد کیلئے تیار ہوں لیکن ہر گز سر تسلیم خم نہ کروں گا“۔

امام سجاد علیہ السلام کہتے ہیں کہ : جب صبح عاشورا ہوئی تو لشکر یزید امام علیہ السلام کی طرف آیا، آن حضرتؑ نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا : ”اللھم انت ثقتی فی کل کرب وانت رجائی فی کل شدّۃ وانتؑ لی فی کل امر نزل بی ثقۃ وعدّۃ.....“۔(ارشاد، ص ۱۲۷)

”بارالہا! ہر غم واندوہ میں تو میری پناہ گاہ ہے ہر سختی میں تو میری امید ہے اور ہر مشکل میں صرف تو ہی میرا مورد اعتماد رہا۔ بہت سے ایسے غم ہیں جن سے دل سست ہو جاتا ہے اور تدبیر اس میں کم ہو جاتی ہے اور دشمن اس سے خوش ہو جاتا ہے اس لئے میں اسے تیری درگاہ میں لے آیا ہوں اور تیرے پاس شکوہ کر رہا ہوں پروردگارا! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا ہے اور میرا تقاضا اور آرزو صرف تجھ سے ہے تیرے سوا اور کون غم واندوہ سے مجھ کو نجات دے سکتا ہے، پس تو ہی ہر نعمت کا صاحب اختیار اور ہر نیکی کا مالک اور ہر امید و آرزو کی انتہا ہے“۔

اس وقت دشمن کی فوج اپنی طاقت کا مظاہر کرنے کیلئے اپنے گھوڑوں کو امام علیہ السلام کے خیموں کے اردگرد دوڑانے لگی۔ حالات لمحہ بہ لمحہ زیادہ خراب اور دشمن کی طرف سے حملہ ہونے کے قریب تھا۔ امام علیہ السلام جو اپنے آپ کو دفاع مقدس کیلئے تیار کررہے تھے رسولؐ خدا کا عمامہ سر پر رکھا اور آپؐ کی ردا پہنی اور پیغمبرؐ کی مخصوص تلوار کو کمر پر باندھا۔ (طبری ج ۲۳، ص ۲۴۱)

اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور قرآن کو ہاتھوں میں لیا اور اس جذب کرنیوالی حلیہ اور صورت میں دشمن کی طرف چلے۔ امام کا انداز بتارہا تھا کہ آپؑ خطاب کرنا چاہ رہے ہیں۔ لشکر دشمن کے خود فروش سالار جو جانتے تھے کہ اگر حسینؑ اس جاذب نظر چہرہ وحالت کے ساتھ جو قیام مقدس پیغمبرؐ کی حکایت کر رہا تھا تقریر کریں گے اور لوگ انکے کلام کو سنیں گے تو ممکن ہے سننے والوں کی روح میں ہیجان برپا کردے اور ایک عظیم اندرونی دھماکہ "عمر بن سعد" کے سپاہیوں کے درمیان وجود میں آئے۔ لہٰذا لشکر کے سالاروں نے خوب زور کا شور وغوغا اور منہ سے طرح طرح کی آواز نکال کر ہلّڑ مچایا (جو عمر وعاص کا آلۂ کار ہے) تاکہ لوگ امام حسینؑ کی آواز نہ سن سکیں اور اس کے مقابل امام علیہ السلام نے اس قدر صبر اور بردباری کا مظاہرہ کیا کہ آخر کار ہلّڑ مچانے والے تھک کر خاموش ہوگئے۔ پس اس شوروغل میں امامؑ نے بلند آواز کے ساتھ لوگوں سے فرمایا:

"یااهل العراق! و جلّهم یسمعون، فقال ایها الناس اسمعوا قولی و لاتعجلوا حتی اعظکم بما یحق لکم علیّ وحتی اعذر الیکم فان اعطیتمونی النصف کنتم بذلك اسعد....."۔

"اے عراق کے لوگو! (ان میں سے اکثر سن رہے تھے) فرمایا: اے لوگو! اپنے کام میں جلدی مت کرو اور ہماری باتوں کو سن لو تاکہ جو کچھ میرا

فرض ہے اور مجھ پر تمہارا حق ہے تم لوگوں کو بتادوں اور اپنے دلیل و حجت کو بیان کردوں پس اگر انصاف سے کام لو تو خود تمہارے لئے سعادت ہے۔ اور اگر ناانصافی سے کام لوگے تو خوب سوچ لو کہ کہیں ایسا نہ ہو تمہارے کام تمہارے لئے غم واندوہ کا باعث ہو جائیں۔ پھر میرے بارے میں جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرو اور ذرا بھی مہلت نہ دینا۔ بے شک میرا ولی وہ خدا ہے جس نے قرآن کو نازل فرمایا اور وہی شایستہ لوگوں کا سرپرست اور یار و مددگار ہے"۔

اور جب امامؑ نے لشکر کی توجہ اپنے طرف کرالی تو ایک فصیح اور محکم بیان کے ساتھ اپنے اہم اور تاریخی خطبہ کا آغاز کیا۔

مرحوم شیخ مفیدؒ کہتے ہیں:

"فلم یسمع متکلم قطّ قبله ولا بعده ابلغ فی منطق منه" "کسی بھی خطیب کی زبان سے ان سے پہلے اور انکے بعد اس سے زیادہ بلیغ اور رسا قابل فہم کلام سنا نہیں گیا ہے"۔ (ارشاد، ص ۲۱۸)

امام علیہ السلام نے روز عاشور ادشمن کے سامنے کئی خطاب کئے جو سب کے سب حماسی اور ہیجان برپا کرنیوالے تھے جن میں آپؑ کا آخری خطبہ سب سے زیادہ ہیجان آور ہے۔ اس خطبہ میں امام علیہ السلام نے اپنے شدید ترین تاثرات کو جو انہیں اپنے فرزندوں اور بھائیوں، بھتیجوں اور باوفا اصحاب کی شہادت سے پہنچی تھی اپنے کلمات کے اندر بیان فرمایا ہے۔ اور اہل کوفہ کا کمینہ پن، پستی، بے وفائی، دغابازی اور عربی غیرت نہ ہونے کا وصف بیان کیا اور ان پر لعنت بھیجا ہے۔

"یا اهل الکوفه قبحاً لکم وتعسا حین استصرختمو نادلهین....."۔

(الحسینؑ ص ۱۸۰)

تحریک امام حسینؑ میں حماسی پہلوؤں میں سے ایک پہلو راہ خدا میں طلب شہادت اور فداکاری کا جذبہ ہے۔ امام اچھی طرح جان چکے تھے کہ اسلامی معاشرہ کی ایک خطرناک کمزوری دنیا طلبی، موت اور شہادت سے خوف ہے۔ لہٰذا راہ شہادت کو انتخاب کر کے حیات و موت کی دقیق تفسیر تلاش کی کہ شہادت طلبی کے جذبہ کو زندہ کریں اور جب لشکر کوفہ سے اولین سامنا ہوا تو امامؑ نے حرؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا :"أبالموت تخوفنی ، هيهات طاش سهمك وخاب ظنك لست اخاف الموت.....مرحباً بالقتل فی سبيل الله "۔

"تم کیا مجھ کو موت سے ڈراتے ہو۔ افسوس کہ تمہارا نشانہ خطا گیا اور تمہارا خیال غلط ہے مجھے موت سے کوئی خوف نہیں ہے۔ آفرین ہو خدا کی راہ میں قتل ہونے پر ۔(اعیان الشیعہ، ج۱، ص ۵۸۱)

پھر کچھ اشعار پڑھے جو شہادت طلبی کے پیغام کے نشاندہ ہیں:

سامضی وما بالموت عار علی الفتیٰ

اذا ماتوی حقاً وجاهد مسلماً

رواسیٰ رجالاً صالحین بنفسه

وخالف مثبوراً وفارق مجرماً

فان عشت لم اندم وان متّ لم ألم

كفى بك ذُلاًّ ان تعيش مُرّغماً

(میں ابھی روانہ ہو رہا ہوں اور موت جوانمرد کیلئے ننگ و عار نہیں ہے۔ جب اسکی سوچ اور نیت نیک ہو اور مسلمان بن کر بر سر پیکار ہو جائے اور نیک صفت لوگوں کی راہ میں اپنی جان کی بازی لگادے اور ظالموں سے مقابلہ کرے اور گنہگاروں سے دوری ڈھونڈے۔ اگر زندہ رہ جاؤں تو

پشیمان نہیں ہونگا اور اگر زندہ نہ رہوں ملامت نہیں کرینگے۔ آدمی کیلئے یہی بدبختی کافی ہے کہ ذلت وخواری کی زندگی گزارے اور لاچار ہو کر پستی اور ذلت کو اپنائے"۔

اور اسی طرح ان اشعار کو روز عاشور اپڑھا :

فان تکن الدنیا تعد نفیسة　　فدار ثواب الله اعلی وانبل

وان تکن الابدان فلموت انشات　　فقتل امر بالسیف فی الله افضل

(اگر دنیا کو نفیس شمار کریں تو جان لو کہ آخرت جو انعام الٰہی کی منزل ہے بہت زیادہ بلند پایہ اور عظیم ہے۔ اگر آدمیوں کے بدن مرنے کیلئے پیدا کئے گئے ہیں تو پھر خدا کی راہ میں تلوار سے قتل ہونا کہیں زیادہ بہتر ہے"۔ (بحار الانوار ج ۴۵، ص ۴۹)

میدان شہادت میں بھی حماسی اور ہیجان پیدا کرنے والے رجز پڑھتے تھے۔ جس کا آغاز اس بیت سے ہے :

الموت اولیٰ من رکوب العار　　والعار اولیٰ من دخول النار

(موت ذلت کو برداشت کرنے سے برتر ہے اور اور ذلت کو برداشت کرنا جہنم میں جانے سے بہتر ہے)

الغرض آخری سانسوں تک انکے تمام اعمال، حرکات وسکنات، انکا کلام سرتا پا حق خواہی، حق پرستی، حماسہ کی ایک لہر تھے۔

اصحاب امامؑ اگرچہ تعداد میں کم تھے لیکن امامؑ کی بھرپور معرفت رکھتے تھے۔ امامؑ انکے بارے میں فرماتے ہیں :

"امرھم امری ورأیھم رأی"۔ یعنی امامؑ اور ان لوگوں کے درمیان ہمدلی تھی۔ امام حسینؑ نے سفر کے دوران مختلف جگہوں پر اپنی اور اصحاب کی

شہادت کا اعلان کیا اور ان سے اپنی بیعت اٹھا کر انہیں آزاد کیا کہ اگر چاہیں تو واپس جا سکتے ہیں اور شب عاشور کو بھی آخری دفعہ فرمایا: شہادت کی گھڑی آ پہنچی ہے اور میں اپنی بیعت تم لوگوں سے اٹھاتا ہوں رات کی اس تاریکی سے فائدہ اٹھایئے اور اپنے وطن کی طرف واپس جایئے' اور صرف مردوں کے مرد' باصفا مرد دنیا کی دلدل سے نکل آتے ہیں ٹھہر جائیں اور ہمارا ساتھ دیں"۔

ہاں پیروی کا شیوہ یہی تھا امام حسینؑ نے صراحت کے ساتھ فرمایا: "من كان باذلا فينا مهجته وموطناً على لقاء الله نفسه فليرحل معنا فاننى راحل مصبحاً ان شاء الله"۔

"جو شخص اپنی جان نثار کرنے کیلئے تیار ہے اور اپنے آپ کو فدا کرنا چاہتا ہے اور خدا کی لقاء کیلئے اپنے نفس کو آمادہ کر چکا ہے ہمارے ساتھ کوچ کرے کیونکہ میں صبح سویرے روانہ ہو جاؤں گا انشاء اللہ"۔

(بحار الانوار ج ۴۵' ص ۵۰' مناقب' ج ۴ ص ۶۸' ۱۱۰)

امام علیہ السلام کے ہواخواہوں کا گروہ' انکے رشتہ دار اور جوانمرد دوستوں نے ان کو اکیلے چھوڑنے سے انکار کیا۔ انکے بھائیوں' اور انکے بیٹے' بھانجوں اور بھتیجوں سب نے یہی کہا: "لم نفعل ذلك لنقبى بعدك؟ لا أرانا الله ذلك ابداً"۔ کس لئے ہم ایسا کریں تاکہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ ہرگز نہیں خدا کبھی ہمارے لئے وہ دن نہ دکھائے"۔

اور پہلا شخص جس نے یہ بات کہی "عباسؑ بن علیؑ" تھے اور دوسروں نے بھی ان کی پیروی کی۔ انصار کی طرف سے بھی "مسلم بن عوسجہؓ" اٹھے اور عرض کیا:

"أنحن نخلى عنك وبما نعتذر الى الله فى اداء حقك؟اما والله

حتی اطعن فی صدورھم برمحی واضربھم بسیفی **ماثبت قائمة** فی یدی.....“۔

”کیاہم آپؑ سے دست بردار ہو جائیں ؟ پھر ہم خدا کی بارگاہ میں آپؑ کے حق کی ادائیگی کے بارے میں کیا عذر پیش کریں گے ؟ جان لیجئے کہ خدا کی قسم آپؑ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ آپ کے دشمن کے سینوں میں نیزہ نہ گھونپ دیں اور جب تک تلوار میرے ہاتھ میں ہے ان سے جنگ کرتا رہوں گا اور اگر کوئی بھی ہتھیار میرے ہاتھ میں نہ ہوگا تو پتھر اور ڈھیلے سے ان سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ جان کو جان آفرین کے حوالے کردوں“۔

امامؑ کے ایک اور صحابی ”سعد بن عبداللہؓ“ نے کہا :

”خدا کی قسم میں آپؑ کی یاری سے دستبردار نہیں ہوں گا جب تک خدا کی درگاہ میں ثابت نہ کرلوں کہ آپ کے بارے میں پیغمبرؐ کا حق ادا کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر مجھے پتا ہو کہ ستر بار قتل ہو جاؤں اور میرے بدن کو آگ لگا کر میری راکھ کو زندہ کیا جائے پھر بھی کبھی آپ کی نصرت سے ہاتھ نہیں کھینچوں گا اور ہزار بار زندہ ہونے کے بعد آپ کی مدد کیلئے دوڑ پڑوں گا حالانکہ جانتا ہوں کہ موت صرف ایک بار آتی ہے اور اسکے بعد خدا کی بے انتہا نعمتیں ہیں“۔

غرض امامؑ کے تمام اصحاب نے اپنے حماسی ولولہ انگیز کلام سے شہادت اور جانبازی کیلئے اپنی آمادگی کا اعلان کیا اور امامؑ کے بغیر زندگی کو اپنے لئے ننگ و عار شمار کیا۔ لہٰذا امامؑ نے سب کا شکریہ ادا کیا انہیں یہ افتخار بخشا اور فرمایا :”فانی لا اعلم اصحاباً اوفیٰ ولا خیراً من اصحابی ولا اھل بیت ابرُّ ولا اوصل ولا

افضل من اهل بیتی فجزاکم اللہ عنّی افضل الجزاء"۔

"میں نے اپنے اصحاب سے زیادہ بہتر اور باوفا اصحاب نہیں دیکھے ہیں اور اپنے اہل بیت اور خاندان سے زیادہ باوفا اور صدیق نہیں دیکھے۔ خداوند آپ سب کو نیک جزادے"۔ (ارشادہ ص ۲۱۵' تاریخ یعقوبی ج ۲' ص ۲۳۱' طبری ج ۴' ص ۳۱۸' اعلام الوریٰ ص ۲۳۵' روضۃ الواعظین ص ۱۸۳' ابن اثیر کامل ج ۴' ص ۵۸۔۵۷' تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۲۴۹' لہوف ص ۸۱۲)

امام حسینؑ کا اپنے مقدس مشن میں کامیابی کا ایک راز ان کی خواتین اور اولاد کی صبر واستقامت ہیں۔ امامؑ اور انکے اصحابؓ نے ایک عظیم فداکاری کی لیکن اگر انکے اہل بیتؑ انکے بعد از خود ضعف اور بے صبری ظاہر کرتے تو اس عظیم فداکاری کا شایان شان ثمر حاصل نہ ہوتا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ عظیم لوگوں کے نام اور انکی زحمتوں کو ان کی اولاد نے بہت ناقص قیمت پر بیچ دی ہے۔ اور اپنے خاندان کی عظمت کو اپنے ہاتھوں سے کھودیا ہے۔ لیکن امامؑ کی خواتین اور فرزند اور آپؑ کے اصحابؓ کی خواتین نے باوجودیکہ بدنہاد امویوں کے ہاتھوں اسیر ہوگئے تھے اور طرح طرح کے مصائب کا سامنا ہوا' پھر بھی کوئی نازیبا لفظ یا حرکت جو عظمت اخلاق کے منافی ہو روایات میں نہیں ملتا۔ سید الشہداءؑ کے اہل خاندان کے ایمان محکم و تقویٰ اور صدق نیت اور اخلاقی فضیلت کے سب سے بڑے گواہ ہیں۔ سید الشہداءؑ نے اس کی پیشن گوئی کردی تھی اور بار بار اپنے اہل بیتؑ' بہنوں اور بیویوں اور بچوں سے' رشتہ داروں سے' اپنے اصحاب کو وصیت کی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ صبر کا دامن چھوڑ دیں اور اپنی ضعف و کمزوری ظاہر کریں۔

کوفہ اور شام میں اسیری کے دوران اہل بیتؑ حسینؑ کا طور طریقہ محض مبنی پر

آئین تقوی اور شرافت تھا جس نے ان کو اسیری کے لباس میں بھی لوگوں کی نظروں میں عظیم بنادیا اور انکی حقانیت کو ثابت کر دیا اور لوگوں کو اسطرح متقلب کر دیا کہ ابن سعد' ابن زیاد اور یزید تینوں اپنے انجام سے خوف زدہ ہو گئے۔

اہل بیتؑ امامؑ کو جس کوچہ و گلی سے گزارا گیا لوگوں نے کہا :

''ہم نے ایسے اسیر کبھی نہیں دیکھے ! یہ تو پاک اور با تقویٰ اور نیک لوگ ہیں' کس لئے یہ لوگ اسیر ہوں''۔

اہل بیتؑ حسینؑ کو دیکھ کر کوفہ کے لوگ رونے لگے۔ زینب کبریٰؑ نے ایسا خطبہ دیا جس میں اپنے والد علیؑ اور بھائی حسینؑ جیسی شہامت روح اور فصاحت بیان کی داد سخن لی اور سب لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔

مرحوم شیخ مفید لکھتے ہیں : اہل بیتؑ حسینؑ کو ابن زیادہ کے پاس لے گئے۔ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کہنہ لباس میں ایک کونے میں بیٹھ گئیں اور ان کے گرد آپؑ کی کنیزیں بیٹھ گئیں۔ ابن زیاد بولا یہ عورت کون ہے جو کنارہ کش اور گوشہ میں جا بیٹھی ہے اور اس کے ساتھ یہ عورتیں کون ہیں ؟ زینبؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے اپنا سوال دوہرایا' ایک کنیز نے کہا : یہ زینبؑ دختر فاطمہؑ دختر رسولؐ خدا ہیں۔ ابن زیاد ناپاک چہرہ ان کی طرف کر کے بولا : شکر اس خدا کا جس نے تم لوگوں کو رسوا کر دیا اور تمہارے بھائی اور رشتہ داروں کو مار دیا ؟ اور جو کچھ تم لے آئے تھے تمہارے جھوٹ کو آشکار کیا ؟

زینب کبریٰؑ نے فرمایا :

''شکر اس ذات کا جس نے ہمیں اپنے پیغمبر محمدؐ کے وجود سے کرامت بخشی اور ہمیں ہر قسم کی رجس سے پاک کیا۔ اسکے سوا کچھ نہیں کہ فاسق آدمی رسوا ہو جاتا ہے اور بد کار انسان جھوٹ بولتا ہے اور وہ ہم نہیں ہیں''۔

ابن زیاد نے کہا: ”دیکھا خدا نے تمہارے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟

زینب کبریٰؑ نے کہا:

”بجز نیکی کچھ نہیں دیکھا میرے بھائی اور انکے ساتھی درجۂ شہادت کی سعادت کو پہنچے اور وہ لوگ اپنے آرامگاہ کی طرف گئے اور جلد ہی خداوند عالم تم کو ان کے ساتھ ایک جگہ محشور کرے گا اور اس کے سامنے تیری پوچھ گچھ ہو گی اور فیصلہ ہو گا“۔

ابن زیاد ان باتوں سے غضبناک ہو گیا اور بھڑک اٹھا اور گویا حضرت زینبؑ کو آزار پہنچانا چاہ رہا تھا۔ عمر بن حریث نے کہا: اے امیر یہ عورت ہے اور عورتوں کی بات کا مواخذہ نہیں کرتے۔

ابن زیاد نے حضرت زینبؑ سے مخاطب ہو کر کہا: خداوند نے تمہارے خاندان کے سرکش اور نافرمانون کیطرف میرے دل کو شفاء بخش دی۔

پس زینبؑ کا دل ٹوٹ گیا اور رونے لگیں پھر فرمایا: میری جان کی قسم ہمارے بزرگ کا تو نے قتل کیا اور میرے خاندان کو ہلاک کیا اور میرے خاندان کی شاخیں کاٹ ڈالیں اور ہماری جڑ کو اکھیڑ ڈالا۔ اگر یہ بات تیرے دل کو شفا بخشتی ہے پس تجھے شفا مل گئی“۔

ابن زیاد نے کہا ”هذه سجّاعة ولعمری لقد کان ابوها سجّاعاً شاعراً فقالت ماللمرأة والسجاعة.....“۔ میری جان کی قسم یہ خاتون اپنے باپ کی طرح سجع و قافیہ کے ساتھ بات کرتی ہے“۔

زینب کبریٰؑ نے فرمایا: ”عورت کو سجع و قافیہ کے ساتھ بات کرنے سے کیا کام؟ بے شک مجھے کوئی ضرورت نہیں کہ سجع کے ساتھ بات کروں لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے وہ میرے سینہ سے پھوٹ پڑا ہے“۔(ارشاد ص ۲۲۸)

کوفہ میں زینب کبریٰ (سلام اللہ علیہا) کے علاوہ حضرت سید الشہداءؑ کی ایک بیٹی نے بھی ایک بلیغ خطبہ دیا تھا۔

اسلام کی عظیم خاتون جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے جیسے ہی یزید کی حرکات دیکھیں کہ سر مقدس امام کے ساتھ کیا کیا اور اس کی گفتار سنی کہ پیغمبری' پیامبرؐ اور نزول وحی آسمانی کا منکر ہو گیا' اپنی جگہ سے اٹھیں اور یزید کو بلند آواز سے پکارا اور کہا: خدائے بزرگ نے سچ کہا ہے جہاں فرماتا ہے: "ثم کان عاقبة الذین اسائوا السوای ان کذبوا بآیات الله و کانوا بها یستهزؤون"۔

"گناہگاروں کا خاتمہ آیات الٰہی کو جھٹلانا اور انکا مذاق اڑانا ہے"۔

یزید اب جیسا کہ تو نے زمین و آسمان کی وسعت ہم پر تنگ کر دی ہے اور ہمیں اسیر کر کے شہر شہر اور گلی گلی گھمارہا ہے تو تجھے گمان ہے کہ خدا کے نزدیک تیرے لئے افتخار اور کرامت ہے' اور ہمارے لئے ذلت و خواری اور اس کو خدا کے پاس اپنے لئے کسی مقام کی دلیل سمجھتا ہے جو اس طرح خود اکڑ رہا ہے اور ہرزہ سرائی کر رہا ہے؟ اب میں تجھے آگاہ کر رہی ہوں کہ خدا کے کلام کو مت بھول جو فرماتا ہے: "ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لهم خیر لا نفسهم انما نملی لهم لیزدادوا اِثما ولهم عذاب مهین"۔

"اور خبردار یہ کفار یہ نہ سمجھیں کہ ہم جس قدر راحت و آرام دے رہے ہیں وہ ان کے حق میں کوئی بھلائی ہے' ہم تو صرف اسلئے دے رہے ہیں کہ جتنا گناہ کر سکیں کر لیں ورنہ ان کیلئے رسوا کن عذاب ہے"۔

(آلعمران: ۱۷۸)

اسکے بعد اپنے کلام کو جاری رکھا یہاں تک کہ کہا:

"تو ہمارے نام کو مٹا نہیں سکے گا اور ہماری وحی کو خاموش نہیں کر سکتے ہو

اور ہماری طرح دنیا میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ تیرے دامن پر فقط اس عمل کا دھبہ رہجائے گا۔ اور آخر کار اے یزید تیری نظر کمزور اور تیرے دن گنے ہوئے اور تیرے گرد جمع لوگ پراگندہ ہونگے"۔

اور اپنے کلام کے آخر میں کہا :

"الحمد للہ کہ خدا نے ہمیں دنیا میں سعادت اور آخرت میں شہادت دیا اور ہم خدا سے خواہان ہیں کہ ہمارے گزشتگان کو کامل جزائے خیر دے اور ان کو مزید ثواب عطا کرے۔ خدا دوست اور مہربان ہے اور خدا ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہترین سہارا ہے"۔

خطبہ طولانی ہے اور ان کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔ زینبؑ نے ان خطبوں میں ادب، حماسہ اور سیاست و معاشرت کا عظیم ترین شاہکار خلق کیا ہے۔ ایسی شاہکار جس کی نظیر نہیں ہے اور دنیا کی یادداشت میں اس کی مثل نہیں ہے۔

مجلس یزید، جشن فتح منانے کی مجلس تھی لیکن زینب کبریٰؑ نے اسے یزید کی دادرسی کی عدالت بنادیا۔ یزید اور یزیدیوں کو اس عدالت میں کھینچ لائیں اور انکے کفر و طغیان کو آشکار کیا۔ یزید اپنا دفاع نہ کرسکا اور زینب کبریٰؑ کی منطقی باتوں کے مقابل ایک دشنام پر اکتفا کیا۔

معیار ارزیابی

ان مطالب سے جو مختصر طور پر بیان ہوئے ایک بہت ہی اہم نتیجہ ہاتھ آتا ہے وہ یہ کہ داستان کربلا میں یہ ایک اصلی معیار ہے جس سے نہضت اباعبداللہؑ پر لکھے گئے مقاتل اور اخبار کی صحت و سقم کو جانچ سکتے ہیں۔ اس اصل کے مطابق ہر قسم کی تاریخ، یا مقتل، یادداشت یا شعر جو اباعبداللہ الحسینؑ اور انکے اصحابؓ اور خاندانؑ کی ذلت و خواری کو دشمن کے سامنے بیان کرتا ہے وہ جھوٹ اور تحریف

اور غیر قابل قبول ہیں۔

از آستان ہمت ما ذلت است دور

واندر حریم غیرت ما نیستش ورود

(ہماری ہمت کی حریم سے ذلت دور ہے' ہماری غیرت کے آشیانے میں اسکا داخلہ نہیں ہے)

بر ما گمان بردگی زور بردہ اند

اے مرگ' ہمتی کہ نخواہیم این قیود

(ہم پر باطل کی غلامی کا گمان کرتے ہیں' اے موت ہمت دے کہ ہمیں یہ قید وبند قبول نہیں ہے)

اکنون کہ دید ہیچ نبیند بہ غیر ظلم

باید ز جان گذشت' کزین زندگی چہ سود

(اب جبکہ ظلم کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا' تو جان سے گزر جانا چاہئے کیونکہ ایسی زندگی کا کیا فائدہ)

حق و مرتبت کا دفاع اور دین کی بنیادوں کو مضبوط بنانے کیلئے سب سے عظیم اور مؤثر واقعہ ہے جو وجود میں آیا۔ اور سالار شہیدان ابا عبداللہؑ کا خون سے رنگین اور نورانی چہرہ تاریخ کی بلندیوں پر ایسی شان و عظمت کے ساتھ روشنی کے مینار کی مثل اور حق کے راہی اور عدالت و آزادی کے خواہاں لوگوں کیلئے مقصد اعلیٰ اور عظیم ہدف تک راہنما ہوگا۔

حادثۂ عاشورا نے لوگوں کو غیرت' حمیّت صبر و تحمل اور آزادی کا درس دیا۔ سختیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنے کا سبق دیا۔ یہ سب ملت اسلامیہ کیلئے بہت عظیم سبق تھا۔ حسینؑ بن علیؑ نے دین اسلام کو زندہ کیا اور اس کے نیم جان بدن

میں نئی روح پھونک دی، خون کو جوش میں لائے اور غیرتوں کو جھنجوڑ کر حرکت میں لائے اور لوگوں کو آئیڈیل کا عشق دیا۔ لوگوں سے خوف کو دور کیا اور وہی لوگ جو اس دن تک ڈرتے تھے، شجاع و جوانمرد لوگوں میں تبدیل ہو گئے اسکے بعد جو بھی ظلم کے مقابل میں کھڑا ہونا چاہتا تھا "یالثارات الحسینؑ" کا نعرہ اس کا شعار تھا۔ (عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۹۹)

جی ہاں! کربلا کے المناک حادثہ نے معاشرہ کے دینی شعور کو جگایا اور اس میں ایک نیا انقلاب وجود میں لایا اور یہی آزاد مرد کو اپنی شخصیت اور شرافت کا دفاع کرنے پر تیار کرنے کیلئے کافی تھا۔ اور جنگ و قیام کی روح کو، جو اسلامی معاشرہ میں خاموشی کی طرف جا رہی تھی، بھڑکایا۔ اور مردہ دل اور افسردہ بدنوں میں نئی حیات پھونک دی اور انہیں حرکت میں لایا۔

تحریک حسینی نہ صرف جہان اسلام میں بلکہ عالم بشریت میں ایک انقلاب ظہور میں لایا۔ یہ تحریک معنویت، انقلاب، شہادت طلبی اور خواہشات کو رضائے پروردگار کی سمت اور اسلام کے بلند و عظیم مقاصد کو زندہ کرنیوالا ہے۔ بشر کی روح کو متحرک کرنے والا بھی ہے۔ اور بشر کی آرزو اور افکار میں بھی انقلاب برپا کرتا ہے۔ یہ تحریک تاریخ کے چہرے پر اور تمام تحریکوں اور تعمیری حرکات کی بلندی پر چمکتا رہتا ہے۔ اور انسانی اقدار اور آدمی کو ملکوتی آرزوؤں کے احیاء کی راہ میں تمام امتوں اور ملل کیلئے حرکت آفرین ہے۔ اور اسی مقدس تحریک سے ہمیشہ سبق سیکھنا چاہئے۔

مرحوم سید ہبۃ الدین شہرستانی کہتے ہیں:

تاریخ بشری بشر کی مختلف جماعتوں کی تحریک اور لوگوں کا قیام اپنے مقاصد اور انتہا تک پہنچنے کی حرکت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ جیسا کہ کسی زمانہ میں ابراہیم

خلیلؑ اور نمرود کے درمیان اور ایک زمانہ میں محمدؐ اور ابوسفیان کے درمیان اور ایک دن علیؑ اور معاویہ کی درمیان نبرد آزمائی رہی ہے۔ ہمیشہ پیشوایان ہدایت' ائمہ جور کے مد مقابل ہوئے ہیں۔ اور ان تمام تحریکوں میں سے تحریک حسینی لوگوں کے درمیان زیادہ حرکت کا باعث ہے' وہ بھی صرف اس وجہ سے نہیں کہ اس تحریک میں جو فضائل رونما ہوئے اور جو رذائل اور پستی اس تحریک میں دشمن نے اپنے آپ دکھایا بلکہ اس لئے کہ حسینؑ انکارِ جور یزید کی مخالفت میں تمام مسلمانوں کے جذبات اور انکی رائے کا مجسم نمونہ اور ممتاز نشان بنے ہیں۔

تحریک حسینی اس لحاظ سے تحریکات میں بلند اور عظیم نمونہ ہے کہ حسینؑ کامیابی کا راز اور فضیلت کی مثال ہیں' بقول شہرستانی : تحریک حسینی حق کا مکمل مظہر اور ان کے دشمنوں کا رویّہ ظلم اور باطل کا مکمل مظہر ہیں۔

تحریک حسینی کے حادثہ کی حقیقت کیا مصداق میں اور کیا مضمون میں' ہر لحاظ سے دنیا میں بے نظیر ہے۔ محض ایک فاسد نظام کو دور کر کے نئے نظام کی بنیاد ڈالنا نہیں بلکہ تمام تاریخ اور تمام زمانوں میں حساس اور پر شور قوت باطنی میں ایک ہیجان ڈال دینا ہے۔

تحریک حسینی نے ایک مذہبی تحریک اور خالص اور پاک اسلام محمدی کو زندہ کرنے کے علاوہ حق طلبی اور فضیلت دوستی کی روح کو انسانوں کے باطن کے اندر زندہ کیا۔ اور ملل اسلامی اور دوسری ملتوں میں ترقی خواہ معاشرتی اور سیاسی تحریکوں کا سبب بنا۔ اسی لئے بے جا نہیں کہ "مہاتما گاندی" نہضت حسینیؑ کے بارے میں کہتے ہیں :

"ہم حسین علیہ السلام کی راہ پر چلے ہیں"۔

"میں ہند کے لوگوں کیلئے کوئی نئی چیز نہیں لایا ہوں' صرف مطالعہ اور

تحقیقات کا نتیجہ ہے جو قہرمان کربلا کی زندگی کی تاریخ سے میرے ہاتھ لگا تھا۔ ہندوستان کی قوم کو تحفہ دے دیا ہے۔ اگر ہند کو نجات دلانا چاہتے ہیں تو واجب ہے اسی راہ کو طے کریں جسے حسین علیہ السلام نے طے کیا"۔ (محمد یزدی: ہیائید حسینؑ بن علیؑ را بہتر بشناسیم، ص ۲۲۳)

علامہ اقبالؒ بھی برصغیر اور دنیا کے اس وسیع خطہ کے لوگوں کے قیام کا اسی حماسۂ حسینی کی بناء پر خارجی استعمار کو نکالنے کے بارے میں کہتے ہیں:

بر زمین کربلا بارید و رفت لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

(زمین کربلا پر برسا اور چلا گیا، لالہ و گل ویرانوں میں بو یا اور چلا گیا)

رمز قرآن از حسینؑ آموختیم ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

(ہم نے رمز قرآن کا سبق حسینؑ سے پڑھا، ہم نے ان کی آگ سے بہت سے شعلے جمع کئے)

تار ما از زخمہ اش لرزان ہنوز تازہ از تکبیر او ایمان ہنوز

(ہمارے دل کے تار آج بھی ان کے زخم سے متحرک ہیں، انہی کے نعرۂ تکبیر سے ایمان آج بھی زندہ ہے)

تا قیامت قطع استبداد کرد موج خون او چمن ایجاد کرد

(قیامت تک ظلم کی جڑ کاٹ کر رکھ دی، ان کے خون کی لہر نے ایک چمن ایجاد کر دیا)

غرض حسین علیہ السلام تمام معاصر میں اور تمام نسلوں اور تمام جنگ اور جہادوں میں، زمین و زمان کی تمام وسعتوں میں، حاضر ہیں۔ کربلا میں شہید ہوئے تاکہ تمام نسلوں اور معاصر میں موجود رہیں۔ اور پیام عاشورا اور شہدائے کربلا کے پیغام کے ابلاغ کی بہترین زبان حماسی زبان ہے۔ پس جو لوگ واقعۂ کربلا کے بارے میں کتاب یا

مقالہ لکھنا چاہتے ہیں یا اس کے بارے میں شعر کہیں اور زبان حال بیان کریں یا تقریر کریں اُنھیں چاہئے کہ اس نکتہ سے غفلت نہ کریں کہ عاشورا کی حقیقی زبان حماسہ ہے' محض اس حماسی زبان میں ہی اس حادثہ میں موجود جوش وجذبہ اور تحریک کی عکاسی کر سکتے ہیں۔ اور بہ آسانی بغیر کسی زحمت و تکلف کے پیام عاشورا کا ابلاغ کر سکتے ہیں۔ اور جو لوگ امامؑ کے پیغام کو بعد کی نسلوں تک پہنچانا چاہتے ہیں انہیں حماسی زبان سے استفادہ کرنا چاہئے کیونکہ اس حادثہ کا جوہر **حماسہ** ہے۔

ائمہ علیہم السلام کے زمانے کے شعراء اپنے اشعار کو عاشورا کے شور ولولہ اور کربلائی حماسہ کے ساتھ غیرت و عزت سے پڑھتے تھے اور تحرک پیدا کرنے والے اور عزت بخش تھے۔ ایسے شعراء جن کی زندگی کا جوہر حماسہ میں ڈوبا ہوا رہتا تھا اور ایسے بیدار کرنے والے تھے کہ ان کے اشعار کے خروش نے ظالموں کی نیند ہمیشہ کیلئے حرام کردی ہے ۔ ایسے شعراء عاشورا کے دوامی ناشر ہیں۔ "**کمیت**" اور "**فرزدق**" اس نوعیت کے شاعروں کا نمونہ ہیں۔

مثال کے طور پر یہ بیت کس قدر زبان حال امامؑ سے مناسبت رکھتا ہے :

ان کان دین محمدؐ لم یستقم الا بقتلی یا سیوف خذینی

(اگر میرے قتل کے بغیر دین محمدؐ کی خمیدہ کمر سیدھی نہیں ہو سکتی تو اے تلواروں آؤ اور مجھے گھیرے میں لے لو)۔

اس شعر کے شاعر مرحوم "**شیخ محسن ابوالحب کبیر**" ہیں اور یہ شعر ان کے پر حماسہ اور جوش و جذبہ دلانے والے قصیدہ کا ایک بیت ہے۔

امامؑ نے اپنا خون بہا کر ان اشعار کا اثبات کیا اور دین پیغمبرؐ کی حفاظت کی۔

مرحوم **سید جعفر حلّی** اپنے جد کے مرثیہ میں کہتے ہیں :

قد اصبح الدین منه یشتکی سَقَماً وماالی احدغیر الحسینؑ شکا

فلم یرالسبط للدین الحنیف شفا　　الا اذا دمه فی نصره سفکا

وما سمعنا علیلاً لا علاج له　　الا بنفس مداویه ادا هلکا

بقتله فاح للاسلام طیب هدی　　فکلما ذکرته المسلمون ذکا

وصان سترالهدی عن کل خائنة　　سترالغواطم یوم الطف اذهتکا

نفسی الفداء لفاد شرع والده　　بنفسه وباهلیه ومامللکا

فارسی زبان کے شعراء میں سے بھی جس نے شعر میں حماسی شیوہ کو اپنایا' حماسی قوت زبان کی وجہ سے عاشوراشناسی میں سر خرو نکلا۔

لب تشنہ جان سپرد کنار دو نہر آب　　نقش ستمگران ہمہ نقش بر آب کرد

(لب تشنہ جان دے دیا پانی کی دو نہروں کے کنارے 'ظالموں کے تمام نقوش کو نقش بر آب کر دیا)

تن زیربار ذلت وزور خسان نداد　　تا حشر بہر حق طلبان فتح باب کرد

(کمینوں کے فریب اور ذلت کے آگے نہیں جھکے' حشر تک حق طلب لوگوں کے لئے راہ کھول دی)۔

گر عترتش خرابہ نشین شد بہ شہر شام　　باایں عمل بنائے ستم راخراب کرد

(اگر انکی عترت شام کے شہر میں قید رہی' تو اس عمل سے ستم کی بنیادوں کو ڈھادیا)۔

مرغ دلش زسوز عطش گر کباب شد　　قلب جہانیان زغم خود کباب کرد

(پیاس کی شدت سے انکا دل اگر چہ بھن کر کباب ہو گیا' دنیاوالوں کے دلوں کو آپ کے غم نے کباب کر دیا)۔

دوسرا شاعر کہتا ہے :

قامتت راچو قضا بہر شہادت آراست　　باقضا گفت مشیت کہ قیامت برخاست

(جب قضا نے آپ کے قامت کو شہادت کیلئے سجایا تو مشیت نے قضا سے کہا کہ قیامت کھڑی ہوگئی)

راستی شور قیامت ز قیامت خبر است　　بنگر د زاہد کج بین اگر از دیدۂ راست

(قیامت کا شور در حقیقت قیامت کی خبر ہے، اگر کج بین زاہد سیدھی نظر سے دیکھے)

خلق در ظل خودی محو و تو در نور خدا　　ماسوا در چہ مقیمند؟ و مقام تو کجاست

(خلق اپنے آپ میں گم ہے اور آپ نور خدا میں، آپ کے سوا باقی لوگ کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں اور آپ کا مقام کہاں ہے۔)

دشمنت کشت ولی نور تو خاموش نگشت　　آری آن جلوہ کہ فانی نشود، نور خداست

(دشمن نے آپ کو قتل کیا لیکن آپؑ کے نور کو بجھا نہ سکا، جی ہاں! وہ جلوہ جو فانی نہیں ہوتا، وہ نور خدا ہے)

پرچم سلطنت افتاد کیان را ز کیان　　سلطنت، سلطنت تست کہ پایندہ لواست

(کن کن لوگوں کے ہاتھ بادشاہی کا پرچم گر گیا، سلطنت تو آپ کی ہے جسکا پرچم ہمیشہ قائم رہنے والا ہے)

زندہ را زندہ نخوانند کہ مرگ از پی اوست　　بلکہ زندہ است شہیدی کہ حیاتش ز قضاست

(زندہ کو زندہ نہیں کہتے کیونکہ موت اسکا پیچھا کر رہی ہے، بلکہ زندہ وہ شہید ہے جس کی قضا میں حیات ہے)۔

دولت آن یافت کہ دریای تو سر داد ولی　　پادشاہ ہست فقیری کہ در این کوچہ گداست

(دولت اسے ملی جس نے تیرے دریا میں غوطہ لگایا، بادشاہ ہے وہ فقیر جو اس گلی کا بھکاری ہے۔)

تو در اول سر و جان باختی اندر رہ عشق　　تا بدانند خلایق کہ فنا شرط بقاست

(عشق کی راہ میں تو نے پہلے سر اور جان کی بازی لگادی' تاکہ دنیا جان لے
کہ بقا کی شرط فنا ہے)

عمان سامانی جو زیادہ تر عاشورا کے حماسی اور معاشرتی ابعاد پر توجہ نہیں دیتا ہے لیکن "گنجینۂ اسرار" میں چند جگھوں پر عرفان کے علاوہ حماسہ کی طرف بھی توجہ دیتا ہے اور قہرمان کربلا کے خوبصورت چہرہ کی نشاندہی کرتا ہے اور وہ معرفی اس وقت کا ہے جب سالار شہیدان میدان کی طرف عازم ہوتے وقت ذوالجناح و ذوالفقار سے گفتگو کرتے ہیں :

پانہاد از روی ہمت در رکاب کردہ با اسب از سر شفقت خطاب

(ہمت سے رکاب میں پاؤں ڈالا' اور گھوڑے سے نہایت شفقت سے
خطاب کیا)

کای سبک پر ذوالجناح تیز تک گرد نعلت 'سُرمہ چشم ملک

(اے سبک پر تیز گام ذوالجناح' تیرے نعل کی گرد فرشتوں کی آنکھ کا
سرمہ ہے)

ای سماوی جلوۂ قدسی حرام ای زمبدا تا معادت نیم گام

(اے آسمانی فرشتوں کے قدموں کا جلوہ' اے وہ جس کا مبدا سے معاد
تک کا فاصلہ آدھا قدم ہے)

ای بہ صورت کردہ طی آب و گل وی بہ معنی پویہ ات در جان و دل

(اے پانی اور خشکی کو اسطرح طے کرنے والے کہ تیری سبک چال جان و
دل کے ہدف تک پہنچادیتی ہے)

ای بہ رفتار از تفکر تیز تر وز براق عقل' چابک خیز تر

(اے رفتار میں تفکر سے بھی زیادہ تیز' عقل کی براق سے زیادہ جلد درک

کرنے والے)

روبہ کسوی دوست' منہاج منست　　دیدہ واکن' وقت معراج منست

(کوچہ دوست کی طرف چل جو میری سیدھی راہ ہے' آنکھیں کھول کہ میری معراج کا وقت ہے)

بُدبہ شب معراج آن گیتی فروز　　ای عجب معراج من باشد بہ روز

(اس جہان افروز کا معراج رات کو تھا' اے میرا عجیب معراج دن میں ہے)

تو بُراق آسمان پیمای من　　روز عاشورا شبِ اسرای من

(تو میرا آسمان طے کرنے والا براق ہے' روز عاشورا میری شبِ معراج ہے)

پس حقو قا کز منت بر ذمت است　　ای سُمت نازم زمان ہمت است

(پس میری طرف سے جو حقوق تیرے ذمہ ہیں' اے جس کے سُم پر مجھے ناز ہے' یہ ہمت کا وقت ہے)

پس بہ چالاکی بہ پشت زیں نشست　　این بگفت و بُرد سوی تیغ دست

(پس چابک دستی کے ساتھ زین پر بیٹھ گئے' یہ کہا اور تیغ کی طرف ہاتھ لے گئے)

ای مشعشع ذوالفقار دل شکاف　　مدتی شد تا کہ ماندی در غلاف

(اے سینہ چیر دینے والی درخشان ذوالفقار' مدت ہو گئی کب تک نیام میں رہے گی)

آنقدر در جای خود کردی درنگ　　تا گرفت آیینہ اسلام زنگ

(اس قدر اپنی جگہ توقف کر گئی ہے کہ اسلام کے آئینہ کو زنگ لگ گیا)

من ترا صیقل دہم از آگہی　　تا تو آن آیینہ را صیقل دہی

(میں تجھے علم و آگہی سے صیقل دوں گا' تا کہ تو آئینہ کو صیقل دے)

در مزاج کفر شد خون بیشتر　　سر بر آور ای خدارا نیشتر!

(کفر کے مزاج میں خون زیادہ ہو گیا ہے' سر نکال خدارا اور نشتر لگا)۔(گنجینۃ الاسرار : ص ۴۱۔۴۰)

اور زینب کبریٰؑ کی معرفت میں کچھ اس طرح بیان کرتا ہے :

زن مگو مرد آفرین روزگار　　زن مگو بنت الجلال اخت الوقار

(عورت مت کہو' زمانہ کی مرد آفرین خاتون ہیں' عورت مت کہو! وہ جلال کی بیٹی' وقار کی بہن ہیں)

زن مگو خاک درش نقش جبین　　زن مگو' دست خدا در آستین

(عورت مت کہو ان کے در کی خاک پیشانی کا بل' انہیں عورت مت کہو! وہ آستین میں خدا کا ہاتھ ہیں)۔(ایضاً ص ۴۲)

مختصر یہ کہ اگر واقعۂ عاشورا کے بارے میں پڑھے گئے اشعار پر نظر دوڑائیں تو وضاحت اور اچھی طرح سے جان لینگے کہ ان میں سے سب سے زیادہ کامیاب شعر وہ ہے جو شخصیت امام حسینؑ کی تشکیل میں کامل مدد لیتی ہے ان عناصر سے جیسے عرفان' حماسہ اور محبت کی طرف بھر پور توجہ دیا ہو۔ اور دوسرے آثار سے کسی نے ایک طرح سے امامؑ کی شخصیت اور تحریک عاشورا کے حماسہ سازوں سے تحریف کیا ہے۔

پس امامؑ شناسی اور کربلا کے قہرمان حسینؑ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر کامل توجہ دینا سب سے زیادہ جامع اور پر ثمر اور نتیجہ بخش طریقہ ہے جس سے تحریف شناسی عاشورا میں مدد لینا چاہئے۔ لہٰذا سب سے اہم طریقہ واقعۂ عاشورا کی تحلیل و تحقیق میں یہ ہے کہ خیال رکھیں کہ امام حسینؑ معصوم اور تائید من عند اللہ ہیں خدا اور مخلوق کے درمیان واسطہ اور واسطۂ فیض ہیں اور جو کچھ انکی طرف نسبت دی

جاتی ہے وہ مزاج امامت اور امام معصوم سے موافقت رکھے اور تحریف شناسی اور تحلیل عاشورا میں اس سے میزان اور معیار کے طور پر استفادہ کرنا چاہئے اور جو تحاریف اب تک اس واقعہ میں عمل میں آئی ہیں اس موضوع سے ایک نوع کی بے توجہی کے اثر میں رہی ہے۔

گریہ کس کیلئے ؟

گریہ دل کی ترجمانی کرتا ہے۔

کہتے ہیں اگر امام حسین علیہ السلام روز عاشورا فتحیاب ہوئے تو پھر کیوں اس دن جشن نہیں مناتے ہیں ؟ کیوں روتے ہیں ؟ اور یہ اس قدر رونا دھونا اس عظیم فتح کیلئے کیوں ہے ؟

گریہ انسان کے درد و غم ' شوق و خوشی اور عشق کی سچی اور طبیعی زبان ہے۔ رونا ایک طبیعی احساس کا اظہار اور ایک رنج سے جبری و فطری حالت ' ایک آرزو یا صدمہ کا اظہار ہوتا ہے۔

مغرب کا ایک دانشمند کہتا ہے : جو انسان کبھی نہیں روتا ہے اور رونا نہیں جانتا ہے وہ انسانی احساس کو کھو چکا ہے۔

کیا ایسا نہیں کہ آنسو سب سے خوبصورت شعر اور سب سے بے تاب محبت اور پر سوز ایمان ' سب سے زیادہ خالص بات اور سب سے زیادہ لطیف ترین دوست رکھنا ہے ' جو سب دل کی بھٹی میں جمع مخلوط اور پگھل کر ایک گرم قطرہ بن گئے جسے آنسو کہتے ہیں۔ مگر نہیں دل آنسو کا سانچا ہے۔ اور آنسو دل میں شکل اختیار کرتا ہے۔ لہٰذا آنسو دل سے شباہت رکھتا ہے۔

اے بسا قلبہای سوزانی کہ زبان راز آن نگوید باز

(بہت سے ایسے جلے ہوئے دل ہیں ' جن کا بھید زبان نہیں کھولتی ہے)

لیکن آن دیدگان نورانی راز دلدادہ می کند ابراز

(لیکن وہ نورانی آنکھیں ' دلدار کا راز کھول دیتی ہیں)

گریہ دل کا ترجمان ہے مثال کے طور پر : جو شخص سوگوار ہے اور کسی عزیز کی

موت سے اسکا دل جل رہا ہے اسے رونا چاہئے۔ جس وقت دل اسے یاد کرتا ہے زبان اسکے بارے میں بات کرتی ہے۔ اس کی آنکھ بھی اس کے ساتھ ہمدردی کرتی ہے۔ کیا آنکھ زبان سے زیادہ سچی بات نہیں کرتی ہے ؟

از من مپرس کا تش دل در چہ غایت است از آب دیدہ پرس کہ او ترجمان ماست

(مجھ سے مت پوچھ کہ دل کی آگ کہاں تک پھیلی ہے' آنکھ کے آنسو سے پوچھ کہ وہ ہمارا ترجمان ہے)

آنسو رقّت قلب کی نشانی ہے۔ کوئی شخص کسی جگر خراش منظر سے متقلب نہیں ہوتا ہے جب تک اسکے اثر سے آنسو نہ بہائے نیز حقیقت اور خوبصورت جلوہ سے لطف نہیں اٹھاتا جبتک خوشی کے آنسو نہیں بہائے' وہ قلب سلیم اور عدل والی روح نہیں رکھتا ہے۔

امیر المومنین امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں : "جو لوگ قران سن کر متاثر نہیں ہوتے اور قیامت کی بارے میں آیات کو سن کر تعجب نہیں کرتے بلکہ ہنستے ہیں ان کو خداوند متعال قابل مذمت اور سرزنش قرار دیتا ہے' اور کہتا ہے : "تضحکون ولا تبکون"۔ اور یہ بھی فرمایا ہے : "بکاء العیون وحشیة القلوب من رحمة الله تعالی"۔ "آنکھوں کا رونا اور دلوں میں خوف اللہ کی طرف سے رحمت ہے"۔ (ارشاد القلوب : ص ۱۲۸)

چنانچہ "جمود عین" یعنی آنسو اور خدا کے خوف سے گریہ سے محروم ہونے کو قساوت قلب اور شقاوت کی نشانی بتایا گیا ہے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا "من علامات الشقاء جمود العین' قسوة القلب"۔

"آنکھوں کا جمود اور دل کی قساوت (سنگدلی) علامت ہیں شقاوت (بدبختی) کی"۔ (بحار الانوار : ج ۹۰' ص ۳۳۶)

اس کے مقابل مؤمنین کے وہ گروہ ہیں کہ جو روشن بصیرت اور مہربان دل' اور پاک وشفاف جذبہ رکھتے ہیں قرآن کریم نے :"تبکون ویزیدھم خشوعاً"۔اور "سجداً وبُکیاً" ان کو لائق ستایش وتعریف قرار دیا ہے۔بے شک اس نوعیت کے لوگ مردان خدا کی عظمت کو دیکھ کر اشک شوق اور ان کی مظلومیت کی خاطر غم واندوہ کے آنسو اپنی آنکھوں سے جاری کرتے ہیں۔

نام حسینؑ گریہ کے ہمراہ ہے

جس طرح اسلامی متون سے پتا چلتا ہے کہ نام حسینؑ آہ ونالہ کا آمیزہ ہے۔اور آپؑ کی شہادت سے قبل پیغمبر اکرمؐ اور حضرت علی وفاطمہ علیہما السلام ان پر روئے ہیں۔بہت سی روایات کے مطابق جب حضرت امام حسینؑ کی ولادت ہوئی حضرت جبرئیلؑ رسولِؐ خدا کے پاس نازل ہوئے' حضورؐ اور حسینؑ کے ماںؑ' باپؑ کو نو مولود کی شہادت کی خبر دی۔اور وہ لوگ بھی تمام ایام امام حسینؑ کیلئے روتے رہے۔

جناب عایشہؓ سے نقل شدہ روایت کے مطابق ہے :

"حسینؑ چھوٹے کمسن تھے کہ پیغمبرؐ کی خدمت میں گئے' اسی موقعہ پہ جبرئیل امینؑ نے پیغمبرؐ کو خبر دی کہ : زمانہ نہیں گزرے گا کہ اس بچے کو سرزمین طفّ خاک عراق میں آپؐ کی امت کے بعض لوگ قتل کرینگے۔ رسولؐ اللہ رودیئے لیکن جبرئیلؑ نے مزید کہا :"لاتبك 'فسوف ینتقم الله منهم 'بقائمکم اهل البیت "۔ مت روئیں' آئندہ خداوند متعال قائم اہل بیت (عج ا.....) کے ذریعہ ان سے انتقام لیں گے"۔

(بحار الانوار' ج ۳۶' ص ۳۴۹)

ابن عباس کہتے ہیں : "صفین جاتے وقت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا جب نینوا میں شط فرات کے کنارے پہنچے امامؑ بلند آواز سے دھاڑیں مار کر رونے لگے اور

فرمایا : اے ابن عباس! اس جگہ کو پہنچانتے ہو ؟ میں نے کہا : اے امیر المومنینؑ ! میں نہیں جانتا ہوں ! فرمایا : اگر اس جگہ کو میری طرح پہنچانتے ہوتے تو کبھی یہاں سے نہ گزرتے مگر یہ کہ میری طرح رو دیتے۔ ابن عباس کہتے ہیں : "فبکیٰ طویلاً حتی اخضلت لحیته وسألت الدموع علی صدره و بکینا معاً"۔ "آن حضرتؑ دیر تک روتے رہے یہانتک کہ آنسوان کے محاسن پر جاری ہو گئے اور ہم بھی علی علیہ السلام کے ساتھ روئے۔

پھر امامؑ نے مزید کہا : وای ہو' وای ہو۔ میں نے آل ابو سفیان کے ساتھ کیا کیا ہے۔ پھر فرمایا : اس خطہ میں (جس کا نام کرب وبلا ہو جائے گا) میرے اور فاطمہ (س) کے ستر اولاد شہادت کو پہنچیں گے اور دفن ہونگے"۔ (بحار الانوار : ج ۴۴' ص ۲۵۳' ۲۵۲)

امام صادق علیہ السلام کی روایت کے تحت : ایک دن فاطمہ زہرا (س) رسولؐ خدا کے پاس حاضر ہوئیں اور آنحضرتؐ کو گریان دیکھا' رونے کی وجہ پوچھی تو رسولؐ خدا نے فرمایا : جبرئیلؑ نے مجھے خبر دیا کہ حسینؑ کو میری امت کا ایک گروہ قتل کریگا۔ فاطمہ (س) بھی یہ خبر سن کر شدید روئیں۔ لیکن جب شہادت کی وجہ سے اپنے بیٹے کے بلند مقام کا پتا چلا تو آرام اور تسکین پائی۔

(کامل الزیارات : ص ۵۷)

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان پر اماموں کی طرف سے گریہ اور عزاداری کی ایک مفصل داستان ہے جس میں سے چند کا ذکر کرینگے :

امام سجاد علیہ السلام کربلا میں امام حسین علیہ السلام اور انکے باوفا ساتھیوں پر پڑنے والے دلخراش مصائب کے خود شاہد تھے۔ آپؑ واقعۂ عاشورا کے بعد جب تک زندہ رہے اس دردناک واقعہ کو نہیں بھولے اور ہمیشہ گریہ اور سوگواری

کرتے رہے۔ آپؑ جب بھی چاہتے کہ پانی پئیں آپؑ کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں اور آپؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

آپؑ فرماتے ہیں : کیسے نہ روؤں جبکہ یزیدیوں نے بیابان کے درندے اور وحوش وطیور پر پانی کھلا چھوڑا لیکن میرے باپ پر پانی بند کر دیا اور انہیں پیاسا قتل کر دیا۔ فرماتے ہیں : جب بھی فرزندان فاطمہ (س) کے قتل کئے جانے کی یاد آتی ہے گریہ گلوگیر ہو جاتا ہوں۔ اور جب لوگ انہیں دلاسا دیتے تو فرماتے تھے :

"کیف لاابکی؟ وقدمنع ابی من الماء الذی کان مطلقا للسباع والوحوش"۔

"کیسے نہ روؤں جبکہ میرے باپ پر پانی بند کر دیا گیا لیکن تمام درند اور وحوش کیلئے کھلا رکھا گیا"۔

(مناقب : ج ۳، ص ۳۰۳، بحار الانوار ج ۴۶، ص ۱۰۹)

امام سجاد علیہ السلام اپنے مظلوم باپؑ کے غم میں اس قدر روئے کہ آپ کو تاریخ کے پانچ رونے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ (دوسرے عبارت ہیں : حضرت آدمؑ، نوحؑ، یعقوبؑ و حضرت فاطمہ زہرا (س) (الخصال : ص ۲۷۲)

جب انؑ سے اس قدر رونے کا سبب پوچھا جاتا تو کربلا کے جگر سوز مصائب کا ذکر کرتے اور فرماتے تھے : مجھے ملامت نہ کرنا، یعقوبؑ کا ایک بیٹا جب ان سے جدا ہوا تو اس قدر روئے کہ اس غم میں آپؑ کی آنکھیں سفید ہو گئیں حالانکہ انہیں فرزند کی موت کا یقین نہیں تھا۔

از فراق روی یک یوسف اگر یعقوب سوخت ہجر ھفتاد و دو یوسف کردہ خونین دل مرا

(اگر ایک یوسف کے فراق نے یعقوبؑ کو اس قدر جلایا تو بہتّر یوسفؑ کے ہجر نے میرا دل خون کیا ہے)

در آنحالیکہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک دوپہر میں میرے اہل بیتؑ کے چودہ افراد کے سر کاٹ لئے گئے۔ کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میں انکے داغ اپنے دل سے نکال دوں۔ (امالی صدوق : مجلس ۲۹، ص ۱۲۱)

وہ نہ اپنے والد گرامیؑ کے ماتم میں تنہا آنسو بہاتے تھے بلکہ مومنین کو بھی اس مظلومؑ کی عزا میں رونے کی ترغیب دیتے تھے۔ :

"ایما مومن دمعت عیناہ لقتل الحسینؑ حتی تسیل علی خدّہ بواہ اللہ بھا فی الحبّۃ غرفاً یسکنھا احقاباً"۔

"جو مومن حسینؑ کی شہادت پر اس قدر روئے کہ آنسو اسکے رخسار پر جاری ہو جائیں خداوند بہشت میں اسکے لئے کمرہ تیار کرے گا جہاں وہ ابد تک رہے گا"۔ (ثواب الاعمال : ص ۸۳)

امام باقرؑ نے امام حسینؑ کیلئے آنسو بہائے اور جو بھی ان کے گھر میں ہوتا اسے بھی رونے کا حکم دیا۔ اور آنجنابؑ اپنے گھر میں مجلس عزا برپا کرتے، اور حاضرین امام حسینؑ کی مصیبت کا ایک دوسرے کو پرسہ دیتے تھے۔

(وسائل الشیعہ، ج ۱۰، ص ۳۹۸)

عبداللہ بن سنان کہتا ہے : عاشورا کے دن امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوا امامؑ کا رنگ اڑا ہوا اور بہت غمگین اور گریان تھے۔ میں نے امامؑ سے اس کی وجہ پوچھا تو فرمایا : آج عاشورا ہے اور اسی روز ہمارے جد امام حسینؑ شہید ہوئے ہیں۔ (بحار الانوار، ج ۹۸، ص ۳۰۹)

امام صادق علیہ السلام نے "ابوہارون مکفوف" کو حکم دیا کہ مرثیہ پڑھو پھر جب اس نے اپنا مرثیہ پڑھنا شروع کیا تو اس نے دیکھا امامؑ بہت رو رہے ہیں اور پس پردہ بیٹھی خواتین نے جیسے ہی امام صادقؑ کی رونے کی آواز سنی تو ان لوگوں نے

بھی آہ ونالہ وگریہ کی آواز بلند کی پھر امامؑ نے فرمایا :"من أنشد فی الحسینؑ شعراً فبکیٰ وابکیٰ عشراً کتب له الجنة "۔

"جو بھی حسینؑ کی مصیبت پر شعر کہے اور روئے اور دس لوگوں کو رلائے تو اسکے لئے بہشت لکھی جائے گی"۔(کامل الزیارات : ۱۰۴)

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں : میرے والد امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کا یہ دستور تھا کہ جب بھی ماہ محروم آتا ہمیشہ غمزدہ رہتے یہاں تک کہ عشرۂ محرم ختم ہو جاتا۔ روز عاشورا انکے ماتم وگریہ کا دن تھا اور فرماتے تھے :

"ھو الیوم الذی قُتل فیه الحسینؑ"۔(یہ وہ دن ہے جس میں حسینؑ قتل ہوئے)۔(امالی الصدوق مجلس ۲۷، بحار الانوار : ج ۴۴، ص ۲۸۴)

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا : "محرم وہ مہینہ ہے کہ اہل بیتؑ اس ماہ میں جنگ وخونریزی کو حرام جانتے تھے لیکن دشمنوں نے اس مہینہ میں ہمارے خون بہائے، ہماری حرمت کو توڑا، ہماری عورتوں اور بچوں کو اسیری میں گرفتار رکھا اور ہمارے خیموں کو آگ لگادی اور ہمارے اموال کو لوٹا اور برباد کیا اور حرمت رسولؐ خدا کی ہمارے حق میں کوئی رعایت نہ کی"۔

"ان یوم الحسینؑ اقرح جفوننا واسبل دموعنا واذل عزیزنا بارض کربلا..... علیٰ مثل الحسین علیه السلام فلیبك الباکون فان البکاء علیه یحط الذنوب العظام"۔

"امام حسینؑ کا قتل ہوا، ہماری آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور ہماری پلکیں زخمی اور کربلا میں ہمارے اعزاء کو ذلیل کیا گیا..... رونے والوں کو چاہئے کہ حسینؑ پر روئیں اُنپر رونا گناہان عظیم کو بہادیتا ہے"۔

(بحار الانوار ج ۴۴، ص ۲۸۴)

امام رضا علیہ السلام نے ریان بن شبیب سے فرمایا: "ان کنت باکیاً لشئ فابك للحسين بن علیؑ فانه ذبح كما يذبح الكبش وقتل معه من اهل بيته ثمانية عشر رجلاً مالهم في الآرض شبيهون"۔

"اگر کسی چیز پر رونا چاہتے ہو، تو حسینؑ بن علیؑ پر روؤ کیونکہ آنجنابؑ کا سر گوسفند کی طرح کاٹا گیا اور وہ اپنے اہل بیتؑ کے اٹھارہ افراد کے ساتھ مارے گئے جو دنیا میں بے نظیر تھے"۔

پھر ابن شبیب سے فرمایا:

"اگر تم بہشت کی بلند درجات میں ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو ہمارے دکھ اور غم میں غمزدہ اور ہماری خوشی میں خوش اور شادمان رہو"۔

یہاں تک کہ بعض روایات کے بموجب امام زمان (عج) بھی ہمیشہ سید الشہداءؑ کیلئے روتے ہیں اور فرماتے ہیں: "اے جد بزرگوار! زمانے نے مجھ کو تاخیر میں ڈالا اور آپؑ کی نصرت اور آپؑ کے دشمنوں کے ساتھ جنگ و پیکار کیلئے نہیں آسکا، لیکن بدلے میں "فلاندبنك صباحاً ومساء ولابكين لك بدل الدموع دماً حسرة عليك......" "ہر صبح وشام آپؑ کے مصائب پر روتا ہوں، اگر میری آنکھوں کے آنسو ختم ہو جائیں گے تو انکی جگہ خون کے آنسو بہاؤں گا"۔

حتیٰ بہت سی روایات کی تحت ہر کوئی اور ہر چیز سورج، آسمان، زمین، فرشتہ عاشورا کے روزان حضرت پر گریہ کرتے ہیں۔

فؤاد کرمانی، ایک شہرت یافتہ شاعران روایات کی مدد سے اس طرح شعر کہتے ہیں:

تا ندا کردولای تو، درا قلیم الست　　　بہر لبیک فدایت، دوجہان پرزداشت

(تیری ولانے روز الست جب ندا کی، تیرے لبیک پر فدا اس گندگی سے بھری دنیا میں)

کشتہ شد عالم دہری، چو تو در عالم دہر دہر تا روز قیامت شب اندوہ و عزاست

(دنیا کی خلقت اسی روز مر گئی جب تم دنیا میں مارے گئے، دنیا قیامت تک کیلئے غم واندوہ کی تاریکی میں ڈوب گئی)

در غمت اعین واشیاء ہمہ از منطق کون ہر یکی مویہ کنان، بر دگری نوح گر است

(تیرے غم میں سارے منطقہ جہاں کی آنکھیں اور اشیاء، ہر ایک دوسرے سے گریہ وزاری اور نوحہ کناں ہے)

رفت بر عرشۂ نی، تا سرت ای عرش خدا کرسی ولوح و قلم، بہر عزای تو بپاست

(اے خدا کے عرش اس گریہ کی آواز تیری بلندی تک گئی، کرسی ولوح و قلم سب جگہ عزا برپا ہے)

منکسف گشت، چو خورشید حقیقت بہ جمال گر بگریند ز غم، دیدۂ ذرات رواست

(ان کے حسن کے سامنے سورج گہنا گیا، تو اگر ذرے اس غم میں روئیں تو روا ہے)۔ (شمع جمع: ۱۷۸)

قابل غور موضوع یہ ہے کہ "عبداللہ بن فضیل ہاشمی" نے امام صادقؑ سے سوال کیا کہ روز عاشورا ایسی مصیبت و غم واندوہ اور ماتم و عزا کا دن ہو گیا جبکہ وفات پیغمبر اکرمؐ اور امیر المومنینؑ اور فاطمہ زہرا (س) اور امام مجتبیٰؑ جنہیں زہر دیا گیا ان سب کا غم نہیں ہوا۔ امام صادقؑ نے فرمایا: "ان یوم الحسینؑ اعظم مصیبة من جمیع ساير الايام ..... فكان ذهابه كذهاب جميعهم"۔

"بے شک یوم حسینؑ (عاشورا) مصیبت کے لحاظ سے تمام ایام سے عظیم تر ہے..... کیونکہ حسینؑ پنجتن اصحاب کساء میں سے باقی رہ گئے جن کا جانا ان سب کے چلے جانے کے برابر ہے"۔

روز عاشورا خاندان رسالتؐ پر ایسے مصائب پیش آئے کہ کسی مخلوق کے

ذہن میں اسکا تصور بھی نہیں ہے اور قلم بھی لکھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ کیا خوب لکھا ہے :"فاجعةٌ ان اردتُ اکتبها مجملةً ذکرةً لمذکرٍ"۔

"ایسی عظیم مصیبت ہے جس کو اگر مختصر طور پر کسی یاد کرنے والے کیلئے ذکر کروں"

جرت دموعی فحال حائلها مابین لحظ الجفون والزُّبر

بے شک میرے اشکِ رواں میری آنکھ اور کتاب کی اوراق کے درمیان حائل ہو جائیں گے

وقال قلبی بقیا علیَّ فلا والله ماقد طبعت من حجر

(میرے دل نے کہا کچھ رحم کرو خدا کی قسم میں پتھر سے نہیں بنایا گیا ہوں)

بکت لهٰا الارضُ والسماء دما بینهما فی مدامع جُمُر

(اس المناک حادثہ پر زمین و آسمان اور جو کچھ ان دونوں کی درمیان ہیں خون روئے)۔

غرض روز عاشور اخاندان رسالتؐ اور انکے شیعوں کیلئے غم واندوہ، ماتم و عزا اور مصیبت کا دن ہے۔ صرف بنوامیہ جو اہل بیتؑ کے دشمن تھے انہوں نے اس روز کو مبارک دن اور خوشی و عید کا دن جانا ہے۔ جیسا کہ زیارت عاشورا میں ہم پڑھتے ہیں :"اللهم ان هذا یوم تبّرکت به بنوامیه"۔ "خدایا یہ ایسا دن ہے جس کو بنوامیہ مبارک اور بابرکت جانتے تھے"۔ اور دوسرے جگہ پڑھتے ہیں :"هذا یوم فرحت به آل زیاد وال مروان بقتلهم الحسین علیه السلام"۔ "اور اسی روز آل زیاد اور آل مروان خوش ہوئے حسین علیہ السلام کو قتل کر کے"۔

مختصر یہ کہ زہراء (س) اور علی مرتضیٰؑ کے عزیز فرزند سید الشہداءؑ کی عزا اور ماتم کے بارے میں بہت سی روایات رسولِ خدا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی

طرف سے بیان ہوئی ہیں کہ روز عاشورا اہل بیتؑ اور انکے شیعوں کے حزن و ملال اور مصیبت کا دن ہے۔ اور انہی روایات کی رو سے عاشورا کے دن محزون اور غمزدہ ہونا چاہئے۔ ایک روایت میں فرماتے ہیں: "جو بھی شخص ہماری مصیبت کو یاد کرے، روئے اور دوسروں کو رُلائے تو قیامت کے دن ہماری درجات میں ہوگا۔ اور جو شخص ہماری مصیبت کو یاد کر کے روئے تو جس دن سب آنکھیں گریاں ہوں گی اسکی آنکھ نہیں روئے گی۔ اور جو شخص ہماری مجلس میں بیٹھ کر ہمارے دین کو زندہ کرے اسکا دل زندہ رہے گا اور مردہ نہیں ہوگا اس دن سب کے دل مردہ ہونگے"۔ (امالی صدوق ص ۴۵ / عیون الاخبار ص ۱۶۲)

لہٰذا اگر کوئی شخص روز عاشوراء کو خوشی اور عید کا دن جانے تو بے شک وہ بھی بنو امیہ کی طرح دشمن اہل بیتؑ ہے۔ صوفیوں کے سردار جو روز عاشورا کو خوشی اور جشن و سرور کا دن سمجھتے ہیں بے شک دشمن اہل بیتؑ ہیں اگرچہ دوستی کا دعویٰ کریں۔ جس طرح شیخ عبدالقادر گیلانی عاشورا کے جان سوز دن کو فرح و خوشی کا دن بیان کرتے ہیں اور کہا ہے کہ روز عاشورا ہرگز مصیبت کا دن نہیں ہے بلکہ خوشی اور عید کا دن ہے اور لوگوں پر فرض اور واجب ہے کہ اس دن میں اپنے اہل و عیال کیلئے تحفے تحائف لیں اور ان کو سیر و تفریح کیلئے لے جائیں اور انہیں خوشی منانے میں سرگرم رکھیں۔ (الغنیة المطالبی، طریق الحق فی الاخلاق والتصوف و الاداب الاسلامیه: ج ۲، ص ۵۷۔۵۶)

پس یہ بات مسلّم ہوئی کہ امام حسینؑ پر گریہ کرنا شرعی شہ سرخی رکھتا ہے۔ اور عظیم عبادات میں شمار کیا جاتا ہے اور در حقیقت اہل بیتؑ کے غم میں دیدۂ گریان اور درد بھرا دل شیعہ کا شعار ہے۔ بہ قول ایک عرب شاعر:

لك عندی ماعشت یابن رسولؐ الله حزن یفی بحق و دادی

ناظر بدموع غیر بخیل　　وحشی بالسلو غیر جواد

(اے پسر رسولؐ خدا جب تک مین زندہ ہوں میری طرف سے آپ کیلئے غم واندوہ ہے جو حق مودت کو ادا کرتا ہے۔ میری آنکھ آنسو بہانے سے دریغ نہیں کرتی ہے اور میرا دل رنج و غم سے کبھی تسلی نہیں پاتا ہے)

گریہ کے اقسام

گریہ کے کئی اقسام ہیں لیکن اس کی تمام قسمیں امام حسینؑ کی شان میں نہیں ہیں بلکہ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ گریہ کی کونسی قسم امامؑ کی شان کے مطابق شایستہ ہے۔

۱۔ ذلت وخواری اور بیچارگی میں گریہ :

ایسے کمزور اور ناتوان لوگوں کا گریہ ہے جو اپنے مقاصد تک پہنچنے سے باز رہگئے ہیں اور اپنے اندر وہ روح اور آگے بڑھنے کی شہامت نہیں دیکھتے ہیں تو بیٹھ کر عاجزانہ طور پر رونے لگتے ہیں۔ ہرگز امام حسینؑ کیلئے ایسا گریہ نہیں کرنا چاہئے اور آنجنابؑ ایسے گریہ سے بیزار اور نفرت کرتے ہیں۔

۲۔ عجز اور ناتوانی کا گریہ :

ان لوگوں کا گریہ ہے جو عجز وناتوانی سے کسی شکست یا کسی شخص کے ظلم یا نامناسب حالات کی وجہ سے شکست کھاگئے ہیں اور اپنے لئے خطرہ کا احساس کرتے ہیں اور صرف گریہ میں چارۂ کار کو تلاش کرتے ہیں۔ بقول صائب تبریزی

گریہ شمع ازبرای ماتم پروانہ نیست　　صبح نزدیک است ودر فکر شب تار خود است

(شمع کا گریہ پروانہ کے غم میں نہیں ہے، صبح نزدیک ہے اور اپنی اندھیری رات کی فکر میں ہے۔)

مسلم طور پر اس قسم کا گریہ بھی امامؑ سے مناسبت نہیں رکھتا۔

۳۔ اموات پر گریہ :

کوئی شخص اپنے عزیز کو کھو دیتا ہے اور اس کی کمی اور فراق یا اس لئے روتا ہے کہ وہ شخص اسکی زندگی میں مؤثر تھا اور اپنے مستقبل کیلئے پریشان ہے اس صورت میں وہ اپنے حال پر رو تا ہے یا یہ کہ اس کی نیکیوں کو یاد کر کے رو تا ہے۔ اس قسم کا گریہ بھی امامؑ کے شایان شان نہیں ہے۔

۴۔ رحم اور محبت میں یا جذباتی گریہ کرنا :

انسان کا دل جب کوئی دل سوز واقعہ جیسے یتیم کے آنسو یا درد سے کراہتے ہوئے بیمار یا کسی فقیر و نادار شخص کو دیکھتا ہے' وغیرہ وغیرہ تو متاثر ہو جاتا ہے اور اتنا بیقرار ہو تا ہے کہ وہ گریہ کرتا ہے۔

رسولؐ خدا نے جب' اپنے کم سن بیٹے ابراہیمؑ کو ہاتھ سے کھویا اور بقیع کے قبرستان میں سپرد خاک کیا تو اس بچہ کیلئے اس قدر روئے کہ آپؐ کے آنسو محاسن پر جاری ہو گئے۔ آنحضرتؐ سے کہا گیا : اے رسولؐ خدا : آپؐ دوسروں کو رونے سے منع کرتے ہیں حالانکہ خود اس طرح بیتاب ہو رہے ہیں ؟ آنحضرتؐ نے فرمایا : "لیس هذا بکاء غضب انما هذا رحمة ومن لایرحم لا یُرحم"۔ یہ گریہ غصہ اور ناراضگی کا گریہ نہیں ہے بلکہ رحمت و عطوفت کا گریہ ہے اور جو شخص رحم نہیں کرتا ہے وہ مورد رحمت قرار نہیں پاتا"۔

کربلا کا خونین واقعہ دل کو جِلا دیتا ہے اور ہر انسان کے قلب اور قربت کو جوش و خروش میں لاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ حادثہ ایک ظلم اور ایک مصیبت ہے اور شاید ہی دنیا میں اس کا مشابہ کوئی ظلم و ستم عیاں ہو جس پر گریہ کرنے والے بھی ہوں۔

رحم اور ہمدردی و عطوفت میں آکر گریہ کرنا ایک فطری امر ہے۔ ہر انسان

کوئی دلخراش منظر دیکھتا ہے تو متاثر ہو کر آنسو بہاتا ہے' جیسا کہ امام حسینؑ کے دشمن روز عاشورا ان جناب کی حالت پر روئے تھے۔ جب اہل کوفہ نے اسیروں کی دلخراش حالت دیکھی تو گریہ وزاری شروع کر دی۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا :"اتنوحون وتبکون من اجلنا ؟ فمن ذالذی قتلنا؟" ۔"کیا ہمارے لئے گریہ کر رہے ہو اور ہم پر نوحہ خوانی کر رہے ہو ؟ تو پھر ہمارے قاتل کون ہیں اور کس نے ہمیں قتل کیا؟"۔

پس رحم ہمدردی میں آکر رونا بھی چنداں مناسب نہیں ہے۔ اور امام علیہ السلام اپنے شیعوں سے اس طرح کا گریہ اور ماتم نہیں چاہتے رہے ہیں۔

۵۔ غم واندوہ کا گریہ :

دکھ اور پریشانی میں رونا بھی انسان کا ایک طبیعی فعل ہے۔ جب کسی عزیز کو کھو دیتے ہیں یا کوئی مقام و منصب ہاتھ سے چلا جاتا ہے یا کسی مصیبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے انسان غمزدہ ہو جاتا ہے اور اپنا دل ہلکا کرنے کیلئے رونا شروع کر دیتا ہے۔ اور ایسے لوگ جو دل شکستہ ہیں' سوگواری امام حسینؑ میں سب سے زیادہ روتے ہیں اور بعض تو شدت گریہ سے غش کھاتے ہیں لیکن کیا اس طرح کے گریہ کو امام حسینؑ کے حساب میں شمار کر سکتے ہیں ؟ ہر گز نہیں۔

۶۔ فراق اور جدائی کا گریہ :

گریہ کی ایک اور قسم گریۂ فراق ہے کہ کسی کی دوری اور کسی عزیز کی جدائی کے وقت انسان رونے لگتا ہے۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام جان دیتے وقت بیتاب تھے' بعض عیادت کرنے والوں نے اس کی علت دریافت کی تو امامؑ نے نحیف آواز میں فرمایا : "دو چیزوں کیلئے روتا ہوں' قیامت اور دوستوں کے فراق"۔

(حیاۃ الحسنؑ ج ۲' ص ۴۲۶)

واضح ہو گیا کہ امام حسینؑ اور شہیدان کربلاؑ پر گریہ اس قسم کا گریہ نہیں ہے۔

۷۔ گریہ ہائے شوق :

امام حسینؑ کے لایق گریہ۔

اس ماں کا سا گریہ جو کئی سال بعد اپنے گمشدہ فرزند سے ملتی ہے اور اسے دیکھ کر فرط شوق سے آنسو بہاتی ہے۔ کربلا کے حماسہ کے بہت سے اقسام شوق پیدا کرنے والے اور ہیجان برپا کرنے والے ہیں اور ان کے پیچھے اشک شوق کا سیلاب ہے جو ان تمام رشادات' فداکاری اور شجاعتوں اور جوانمردی اور اسیری کی حالت میں مردوں اور عورتوں کے آتشین خطابات دیکھ کر انسان کی آنکھوں سے محبت میں بے اختیار جاری ہو جاتا ہے۔ کیا ایسا گریہ شکست کی دلیل ہے ؟

۸۔ ہدف سے ہم آہنگ گریہ :

کبھی آنسو کے قطرات مقاصد کے پیغامبر ہوتے ہیں۔ وہ کہنا چاہتے ہیں کہ امام حسینؑ کے ساتھ اور اُن کے مقصد سے ہم آہنگ اور ان کے مکتب کے پیروکار ہیں۔ ممکن ہے اس بات کا پرزور اور جوشیلے نعروں یا حماسی ترانوں سے اظہار کریں۔ لیکن کبھی ممکن ہے کہ وہ بناوٹی ہوں۔ لیکن اس دل سوز واقعہ کو سن کر جس شخص کے دل کی گہرائیوں سے آنسو کے قطرات نکل آتے ہیں وہ زیادہ خلوص سے حقیقت کو بیان کرتا ہے۔ یہ آنسو اصحاب امام حسینؑ کے اہداف سے اعلان وفادری ہے اور دل و جان سے ان کے ساتھ نسبت رکھتا ہے۔ مسلمہ طور پر اس قسم کا گریہ..... ان کے پاک اہداف سے واقفیت کے بغیر ..... ممکن نہیں ہے۔

(فلسفۂ شہادت' از آیت اللہ مکارم)

پس حسینؑ پر گریہ کسی مردہ پر آنسو بہانا نہیں ہوتا اور وہ خواری و ذلت و بے چارگی اور عجز و ناتوانی' غم واندوہ سے بھی نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف ایک دلیل اور

علت ہے تاکہ حق طلب لوگوں کی آواز کو دنیاوالوں تک پہنچائیں۔ اور باطل اور اہل باطل کیلئے خطرہ کی گھنٹی بجانا ہے۔ اور آسمانی بجلی ہے جو ہر زمانے اور ہر جگہ ظالم و سرکش اور جابر لوگوں پر گرتی ہے۔ یہ ایک پر خلوص، سچا اور زندہ گواہ ہے راہ حق میں اور بیدادو ستم کی دشمنی میں۔ اور ایک تعظیم ہے فداکاری و حق اور شجاعت اور فرض کو نبھانا اور موت سے نہ ڈرنا اور تکریم و عزت افزائی ہے ان کیلئے جو ظلم کو قبول نہیں کرتے اور محنت و مشقت میں صبر کرتے ہیں۔

بقول علامہ مغنیہ :جولوگ مجالس عزامیں پڑھتے ہیں :

لاتطھرالارض من رجس العدا ابداً مالم یسل فوقھا سیل الدم العرم

(روی زمین دشمنوں کی پلیدی اور خباثت سے پاک نہیں ہوگی جب تک کہ اس درہم برہم کرنے والے خون کا سیلاب اس کے بند کے اوپر سے نہ بہے)

الغرض امام حسین علیہ السلام کی خواری وذلت وبے چارگی پر شیعہ نہیں روتے بلکہ اپنی آنکھوں کے آنسو سے حماسہ کا شعر پڑھتے ہیں اور اپنے آہ ونالہ و حسرت سے حق وعدالت کی آواز دنیاوالوں کے کانوں تک پہنچاتے ہیں :

ہمیں نہ گریہ بر آن شاہ تشنہ لب کافی ست اگرچہ گریہ بر آلام قلب تسکین است

(صرف گریہ اس شاہ تشنہ لب کیلئے کافی نہیں ہے، اگرچہ رونا دل کو آرام و تسکین پہنچاتا ہے)

ببین کہ مقصد عالی وی چہ بود اے دوست کہ درک آن، سبب عزّ و جاہ و تمکین است

(بلکہ دیکھو کہ امامؑ کا عظیم کا مقصد کیا تھا اے دوست کہ جس کو جاننے سے عزت وجاہ ومقام ملتے ہے)

زخاک مردم آزادہ بوی خون آید نشان شیعہ و آثار پیروی، این است

(آزاد مرد لوگوں کی مٹی سے خون کی بو آتی ہے، شیعہ کی نشانی اور پیروی

کے آثار یہی ہیں)۔(خوشدل تہرانی :اشک شوق' ج ا' ص ۲۰)

جرمن سورخ **ماربین** کہتا ہے کوئی چیز عزاداری حسینؑ کی مانند مسلمانوں کے اندر سیاسی حس کو بیدار نہیں کر سکتی۔

(سیاسۃ الحسینیہ :ص ۴۴)

اے اشک ماتمت بہ رخ ملت آبرو وی از طفیل خون تو' اسلام سرخ رو

(اے تمہارے ماتم میں آنسو قوم کی عزت و آبرو' اور تمہارے خون کے طفیل اسلام سرخ رو ہے)

دین را تو زندہ کردی و خود کشتہ گشتہ ای وین یافتہ ز فیض تو' دین نبی علو

(دین کو تم نے زندہ کیا اور خود مارے گئے' اور اس طرح تمہارے فیض سے دین نبی کو سربلندی ملی)

گر آب را بہ روی تو' بستند کوفیان آوردی آب رفتۂ اسلام را بہ جو

(اگرچہ کوفیوں نے تم پر پانی بند کر دیا' تم اسلام کے کھوئے ہوئے پانی کو واپس اس نہر میں لائے)۔

(شعر شمس لنگرودی)

جو آنسوؤں کے قطرے شیعہ امام حسینؑ اور انکے اصحاب کے ماتم میں بہاتے ہیں وہ شہدائے کربلا کے خون کے قطروں کے ساتھ عہد و پیمان ہے کہ جو تشنہ لب اور پانی کے قطروں سے محروم رہ کر احیائے دین اور اسکے سچے مکتب کے اقتدار کیلئے جان دے گئے اور ان آنسوؤں نے اس الٰہی تحریک کو دلوں سے پیوند کر کے جاودان بنادیا ہے۔ یہ بہت ہی سادہ انداز فکر ہے کہ کوئی اس گریہ کو صرف عطوفت سے توجیہہ دے۔ کیونکہ داغ کتنا ہی گہرا ہو آخر کار زمانہ گزرنے کے ساتھ اس کی حرارت گھٹ جاتی ہے۔ حالانکہ حسینؑ کے عزادار عمر کی ابتدا سے

آخر تک صدیوں گزرنے کے باوجود شور و شوق اور زیادہ جوش وجذبہ سے سید الشداءؑ کے ماتم میں روتے ہیں۔

یہ گریہ ایک پیہم فریاد ہے اور ظالموں کے خلاف آواز اٹھانا اور خون حسینؑ کے پیغام کا ابلاغ ہے۔ اگر یہ گریہ صرف عطوفت کا پہلو رکھتا تو زمانہ گزرنے کے ساتھ حادثۂ عاشور اذہنوں سے محو ہو جاتا یا اسکی طراوت اور تازگی کم ہو چکی ہوتی۔

۹۔ کسی چیز کو ہاتھ سے کھو دینے کا کسی درد کو برداشت کرتے ہوئے گریہ کرنا:

انسان اس وقت روتا ہے جب کوئی چیز کھو دیتا ہے یا کسی درد کو برداشت کرتا ہے۔ پس گریہ کی اصل وجہ (سوائے خوشی اور چند نایاب موارد کے) درد اور منفعت' فائدہ کو کھو دینا ہے۔ جس کسی چیز سے فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے ہی اس چیز سے محروم ہو جاتے ہیں تو گریہ کرتے ہیں یا اگر ہمارے بدن کے کسی حصہ میں درد ہو تو آہ ونالہ کرتے ہیں۔ ہم روایات میں پڑھتے ہیں کہ تمام چیزوں نے حسینؑ پر گریہ کیا۔ چاند اور ستارے اور سورج' بیابان کا رنگ اور یہاں تک کہ ہوا جو چل رہی تھی اور دریا کے ماہی بھی' کیوں؟ بیابان کی ریت کیوں روتی؟ دریا کی مچھلیوں نے کیوں سوگواری کیا؟ چاند و ستارے اور سورج کیوں ماند پڑ گئے اور بے تاب رہے؟ یقیناً بظاہر وہ کسی درد و رنج کے متحمل نہیں ہوئے کیونکہ تیر اور خنجر اس شریف جسم پر پڑا اور اسکا درد سورج اور دریا کی مچھلیوں تک نہیں پہنچا۔ بس وہ لوگ کیوں روئے وہ بھی شدید بُکاء؟ پس ضرور انہیں بھی کوئی ضرر پہنچا ہے۔ اور جس چیز سے وہ نفع اٹھا رہے تھے' انکے نصیب میں نہ رہی اور کسی فائدے کو کھو بیٹھے۔ اور وہ فائدہ امامت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ سب لوگ امامؑ سے نفع اُٹھاتے تھے اور اسکے فقدان میں اُنھیں رنج نظر آتا تھا۔ امامؑ قطب اور قلب عالم ہے۔ اور جو بھی اس عالم میں ہے امامؑ کے سایہ میں ہے اور جب اسے کھو دیتے ہیں تو اُنپر رنج

طاری ہو جاتا ہے اور اسکے ساتھ صاحب درد ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ موجودات جن پر ناپاکی نفوذ نہیں کرتی ہے اور نہیں کر سکتی ہے (جیسے بیابان کی ریت، دریا کی مچھلی وغیرہ.....) امامؑ روئے ہیں اور جو لوگ انس و جن میں سے آلودہ ہیں ایسے صاحب نفع کے فقدان سے بے خبر رہتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔
اور یہی اس حدیث کی تفسیر ہے جس میں فرمایا ہے :

"حسینؑ کیلئے قلوب مومنین میں ایک حرارت ہے۔ مومنین اگرچہ ذکر مصیبت نہ بھی سنیں لیکن جوں ہی قلب و محور عالم کو کھو دینے پر متوجہ ہوتے ہیں تو آہ و نالہ کرتے ہیں"۔

مرحوم علامہ مغنیہ کہتا ہے : کسی نے کہا : کیا شیعوں کی پاس رونے کی سوا کوئی اور ذریعہ نہیں جس سے اہل بیتؑ سے اپنی محبت کا اظہار کریں ؟ میں نے کہا :

"جی ہاں ! شیعوں کے پاس رونے کے علاوہ اہل بیتؑ سے اپنے قلبی مودت کو ثابت کرنے کیلئے کئی راہ ہیں جس سے وہ مدد لیتے ہیں من جملہ اہل بیتؑ پر درود شریف و تحیت کو مقدم جانتے ہیں اور انکے فضائل و مناقب کو مجالس و محافل میں بیان کرتے ہیں اور انکے مقدس اماکن کی طرف زیارت کیلئے سفر کرتے ہیں اور ان کی باشرف ضریحوں سے تبرک حاصل کرتے ہیں"۔

(شیعہ و عاشورا : ترجمۂ فارسی، ص ۵۶)

کیوں حسین علیہ السلام فراموش نہیں ہوئے ؟

کہتے ہیں : آپ لوگ تو خلاء اور ایٹمی دور میں رہنے والے ہیں پھر اس شخص کیلئے روتے ہیں جو صدیوں پہلے گزر گیا ہے اور ان مزاروں کی طرف سفر کرتے ہیں جو پتھر اور صخرہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

ہم جواب میں کہتے ہیں: ”جس طرح کہا گیا ہے ”بُعد زمان“ ابدیت میں کوئی اثر نہیں رکھتا ہے۔ ابدیت ماورائے زمان کوئی چیز ہے۔ ابدیت ہمیشہ کیلئے ہے۔ جاودان لوگ بشریت کے عظیم رہنماؤں کا تعلق ابدیت سے ہے لہٰذا صدیاں بھی انکے حیات معنوی میں اپنے مفہوم کھودیتی ہیں“۔

(دیباچہ ای بر رہبری: ص ۳۳۰)

حسین بن علی علیہ السلام جاودان لوگوں کی زمرے میں ہیں۔ بشریت کے عظیم رہبروں میں سے ہیں۔ ان کے بارے میں گفتگو تاریخ کی گفتگو نہیں ہے۔ بلکہ آج کی بات ہے۔ ابدیت کی گفتگو ہے۔ نالۂ فلک شگاف اور پر فروز کی ہیشگی کی بات ہے۔

تقریباً چودہ صدیوں کا یہ زندہ جاوید (تاریخ کے حساب سے) اپنے جسمانی موت کے بعد بالکل اس طرح آج بھی دلوں پر حکومت کرتا ہے اور اب بھی انکے وجود کی روشنی، نہ صرف ہماری حیات میں بلکہ عصر حاضر اور اس خلاء اور ایٹمی دور میں بھی (بے مثال حوادث) کو وجود میں لاتا ہے اور تاریخ بشریت میں سب سے زیادہ پُر شور حماسے کی شکل میں نکل آیا ہے اور ہر سال کئی لاکھ انسانوں کو طاقتور جذبات کے ساتھ اپنے گرد کھینچ لاتا ہے اور ایسے مراسم وجود میں لاتا ہے جو دوسرے پروگراموں سے زیادہ شور اور ہیجان والا ہوتا ہے۔

بھلا کیوں اس تاریخی حادثہ کو کہ جس کی فراواں مثالیں تاریخ میں ہونگی اس قدر اہمیت دی جاتی ہے؟ کیوں اس واقعۂ کیلئے عظیم مراسم کو ہر سال گزشتہ سال سے بہتر اور زیادہ شکوہ و جلال کے ساتھ مناتے ہیں؟ یہ سب تعظیم و تکریم اور ثناء و تعریف، یہ سب سوز و غم چودہ صدیاں گزرنے کی بعد بھی آخر کس لئے ہیں؟ اور یہ کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ زندۂ جاوید صدیوں بعد اسی طرح لوگوں کے دلوں پر آزادی کے ساتھ 'بڑی قدرت سے حکومت کرے گا اور معاشرہ میں (معنویت کی فضا) وجود میں لائے گا۔ حتی اب بھی ایک ایسی طاقت ہے جو معنویت کو حرکت دیتی ہے۔ معاشرہ کو کنٹرول میں لانے کی ایک عظیم طاقت شمار کیا جاتا ہے۔

لیکن مقدس زیارتگاہوں کی زیارت میں کبھی بھی پتھر اور چٹان مقصد اور غایت نہیں ہوتے۔ کیونکہ اگر ان سے غرض ہوتی تو یہی سر بہ فلک پہاڑیاں انسان کو سفر مشقت اور طولانی راہوں کو طے کرنے سے باز رکھیں۔ پس مقصد بالذات حقیقتاً خود صاحب مزار ہے۔ اور مزار کے پتھروں کی عظمت ان میں دفن صاحبان سے منتسب ہونے کا شرف ہے۔ جس طرح قرآن کریم کی جلد کا احترام کرنا یا ان اینٹ اور پتھروں کا احترام کرنا جن سے خانۂ کعبہ اور مسجد النبیؐ اور دوسرے مقدس مکانات بنائے گئے ہیں۔

آجکل بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر قوم کے لوگ اپنی عظیم ہستیوں کی یاد زندہ رکھنے کیلئے انکے مقبروں کی حفاظت کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے گرد ہالۂ مقدس (تقدس کی دیوار) کھڑی کرتے ہیں۔

تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جب سر مبارک امام حسینؑ کو یزید کے پاس لے گئے تو وہ شراب کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک قاصد بھی پادشاہ روم کی طرف سے مجلس یزید میں داخل ہوا۔ سر مبارک حسینؑ کو یزید کے سامنے رکھا دیکھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ وہ حسینؑ کا سر ہے تو یزید کے عمل کی بہت مذمت کی اور کہا: اے یزید! تو نے کلیسا حافر کا واقعہ سنا ہے؟ یزید نے پوچھا وہ کیا ہے؟ رومی نے کہا: ہمارے پاس ایک مکان ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں عیسی علیہ السلام کا گدھا وہاں سے گزرا ہے۔ اس جگہ ایک کلیسا کی بنیاد ڈالی گئی جس کا نام حضرت عیسیؑ

کے گدہے کے سُم سے منسوب کیا ہے وہ کلیساء حافر "سم" کی شہرت رکھتا ہے۔ ہم ہر سال وہاں زیارت کرنے جاتے ہیں اور وہاں اپنی نذریں ہدیہ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اے یزید میں گواہی دیتا ہوں کہ تو خطاکار ہے اور راہ راست سے دور ہو گیا ہے۔ یزید طیش میں آگیا اور اسکے قتل کا حکم دیدیا۔ رومی سر مقدس حسینؑ کے پاس گیا اور اسے بوسہ دے کر کلمہ شہادتین کو زبان پر جاری کیا اسکے بعد اسے لے گئے اور دارالامارہ کے در پر اسے پھانسی دے دی گئی۔

(نقل : علامۂ مغنیہ 'شیعہ وعاشورا : ترجمہ 'ص ۵۹'۵۸)

زیارت 'زائر کی روح کا صاحب قبر سے ارتباط ہے۔ ابا عبداللہ الحسینؑ کے زائر ان جنابؑ سے تجدید بیعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ائمہ اطہار علیہم السلام زیارت سید الشہداءؑ کے لئے وصیت کرتے اور ترغیب دلاتے رہے ہیں تاکہ اس مقدس تحریک کو ہمیشہ کیلئے زندہ وجاوید رکھ سکیں۔

البتہ سب اماموںؑ کی زیارت کرنے کی تاکید ہے لیکن جو روایات امام حسینؑ کی زیارت کرنے کی ترغیب و تشویق دلانے کیلئے ہیں وہ فوق العادت بہت ہی زیادہ ہیں۔ ائمہؑ کی ان وصیتوں کا مقصد یہ تھا کہ شیعہ اس عظیم ہستی کے اہداف سے عملی طور پر اپنے آپ کو ہم آہنگ رکھیں۔ امام سجاد علیہ السلام کئی بار چھپا کر خفیہ طور پر سید الشہداءؑ کی ء زیارت کیلئے گئے اور اپنی احادیث میں بھی بہت زیادہ سفارش کیا ہے کہ امام حسینؑ کی زیارت کریں۔

ابو حمزۂ ثمالی کہتا ہے : میں نے امام سجادؑ سے امام حسینؑ کی زیارت کے بارے میں پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا :

"زُرّہُ کل یوم فان لم تقدر فکل جمعةٍ فان لم تقدر فکل شهرٍ فمن لم یزره فقد استخف بحق رسول الله (ص)"۔

"ہر روز آن حضرتؑ کی زیارت کرو' اگر نہیں کر سکتے ہو تو ہفتہ میں ایک دفعہ زیارت کرو اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو مہینہ میں ایک دفعہ' پس اگر کوئی شخص بالکل آنجنابؑ کی زیارت نہ کرے' حقیقت میں اس نے حریم رسولؐ اللہ کو خفیف شمار کیا ہے"۔ (کامل الزیارات : ابن قولویہ)

لیکن سوگواری اور زیارت سے زیادہ اہم امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلاؑ کے مکتب سے آشنا ہونا ہے اور ان بزرگوار کے اعلیٰ اہداف سے عملی طور پر پیوستگی رکھنا ہے اہم بات پاک ہونا' پاک زندگی گزارنا' اور صحیح فکر اور ان کی عملی تاسی کرنا ہے۔

والسلام

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
☆۔تقدیم	۳
☆۔مقدمہ	۴
☆۔امام شناسی کے روشنی میں عاشورا میں موجود تحریفات کی شناخت	۷
ہ۔۱۔تاریخی روش	۹
ہ۔۲۔معاشرہ شناسی کی روش	۱۵
ہ۔۳۔مسیحی طرز فکر	۲۳
ہ۔۴۔صوفیہ اور اہل عرفان کا طریقہ کار	۳۹
ہ۔۵۔فقہی روش	۵۱
☆۔نہضت عاشورا کی شناخت کیلئے کارآمد ترین طریقہ	۶۰
ہ۔۲۔علم امام	۶۳
☆۔امام اپنی شہادت سے آگاہ تھے	۷۱
☆۔شہادت، جہاد سے برتر ایک اصل ہے	۷۹
ہ۔معنوی جلوے	۸۹
ہ۔عاشورا اور معنوی جلوے	۹۰
ہ۔بعد عرفانی	۹۳
ہ۔بعد حماسی	۱۰۰
ہ۔معیار ارزیابی	۱۱۹
☆۔گریہ کس کیلئے؟	۱۳۱

عنوان	صفحہ نمبر
ہ۔نام حسینؑ گریہ کے ہمراہ ہے	۱۴۳
ہ۔گریہ کے اقسام	۱۴۲
ط۔۱۔ذلت وخواری اور بیچارگی میں گریہ	۱۴۲
ط۔۲۔عجز اور ناتوانی کا گریہ:	۱۴۲
ط۔۳۔اموات پر گریہ:	۱۴۳
ط۔۴۔رحم اور محبت میں یا جذباتی گریہ کرنا	۱۴۳
ط۔۵۔غم واندوہ کا گریہ	۱۴۴
ط۔۶۔فراق اور جدائی کا گریہ	۱۴۴
ط۔۷۔گریہ ہائے شوق	۱۴۵
ط۔۸۔ہدف سے ہم آہنگ گریہ	۱۴۵
ہ۔کیوں حسین علیہ السلام فراموش نہیں ہوئے	۱۴۹

مجاہد اعظم

کتاب مجاہد اعظم، کتب خانہ امام حسینؑ میں مدفون یا گمشدہ کنز مخفی میں ایک گراں بہا خزینہ ہے۔ خدا نے یومئذٍ تحدث اخبارھا کے مصداق اس گوہر گراں بہا کو امت اسلامی کے اس پر آشوب دور میں اپنی الطاف وعنایت سے روئے زمین پر ظاہر فرمایا ہے۔ یہ کتاب کیا ہے؟ حیات وقیام امام حسینؑ سے متعلق فریقین کی کتابوں کا ماخوذ خلاصہ ومغز ہے۔ یہ کتاب مولا امیر المومنینؑ کے اس قول کا مصداق ہے جسمیں آپؑ نے فرمایا: ”میں تمہارے بیان سے کمتر ہوں لیکن تمہارے خیال سے بالاتر ہوں“۔ یعنی یہ نادان عزاداروں کی طرف سے شامل کردہ ملاوٹوں، خام خیالیوں، وہمیات اور خوابوں سے پاک ومنزہ عزاداری کی علمبردار اور قیام وعزائے حسینی کے بارے میں کئے جانے والے شکوک وشبہات سے بالاتر ہو کر باطل کو چیلنج کرنے والی کتاب ہے۔

ملت تشیع جس خطرناک صورت حال سے دوچار ہے اگر اس سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے تو چاہیئے کہ اس کتاب کو شائع کیا جائے، اس کا مطالعہ کیا جائے اور اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب امت اسلامی کو فرقہ واریت کی لعنت سے نجات دلانے، وطن اسلامی کے خلاف برسر پیکار استعماری ایجنٹوں سے مقابلہ کرنے، مراکز دینی کے حقوق کی ادائیگی اور حقوق شرعیہ سے ملنے والے لقمہ کو حلال کرنے میں حد درجہ ممد ومعاون ثابت ہوگی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس کتاب کو معاشرے میں جاری ونافذ کیا جائے گا تاکہ موجودہ صورت حال سے گلو خلاصی ہو سکے۔

ہمارے علم کے مطابق برصغیر پاک وہند میں قیام وحیات امام حسینؑ پر لکھی گئی کتب میں واحد کتاب ہے جسمیں امت اسلامی کے تمام فرقوں کے احترام کو خاطر میں رکھا گیا ہے۔

مجلس تحقیق وترویج حیات، قیام وعزائے امام حسینؑ